

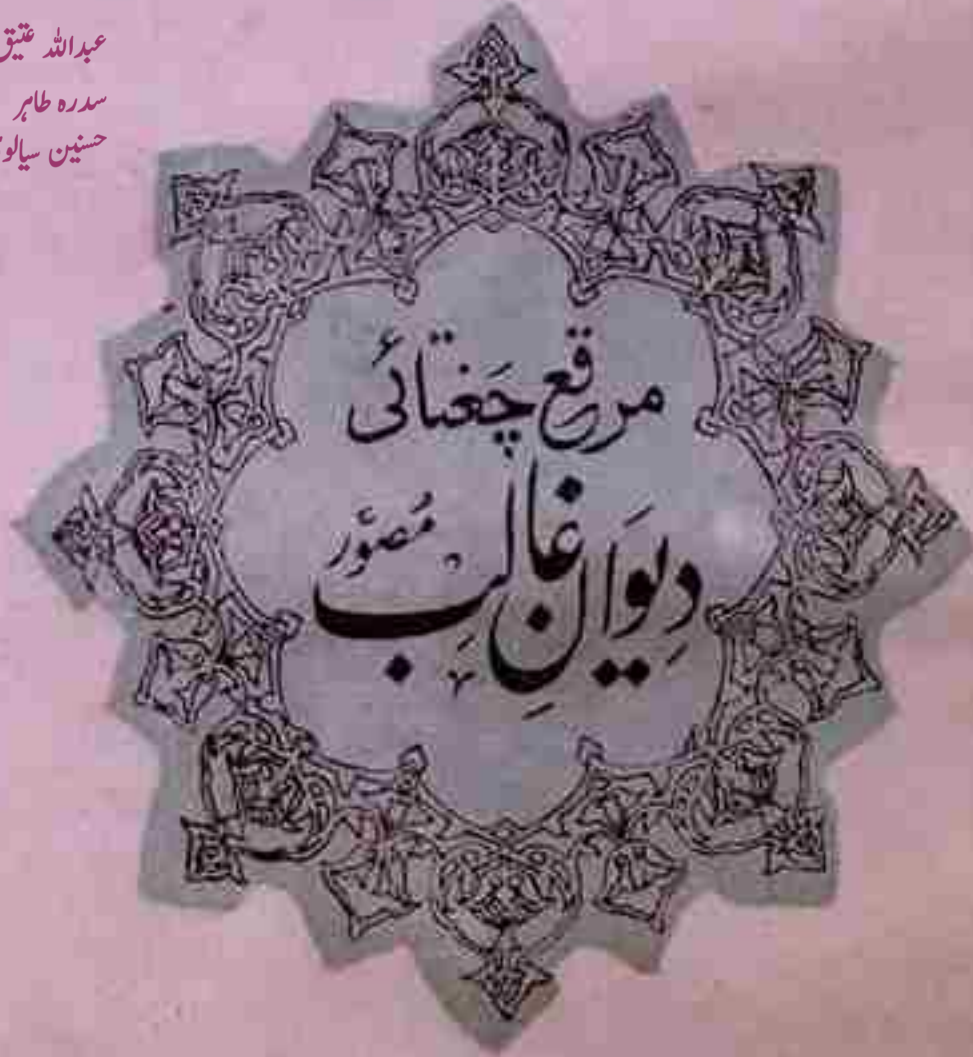
آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے
ہیں مزید اس طرح کی شان دار،
مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے
ہمارے ویس ایپ گروپ کو جوائن کریں

ایڈمن پینل

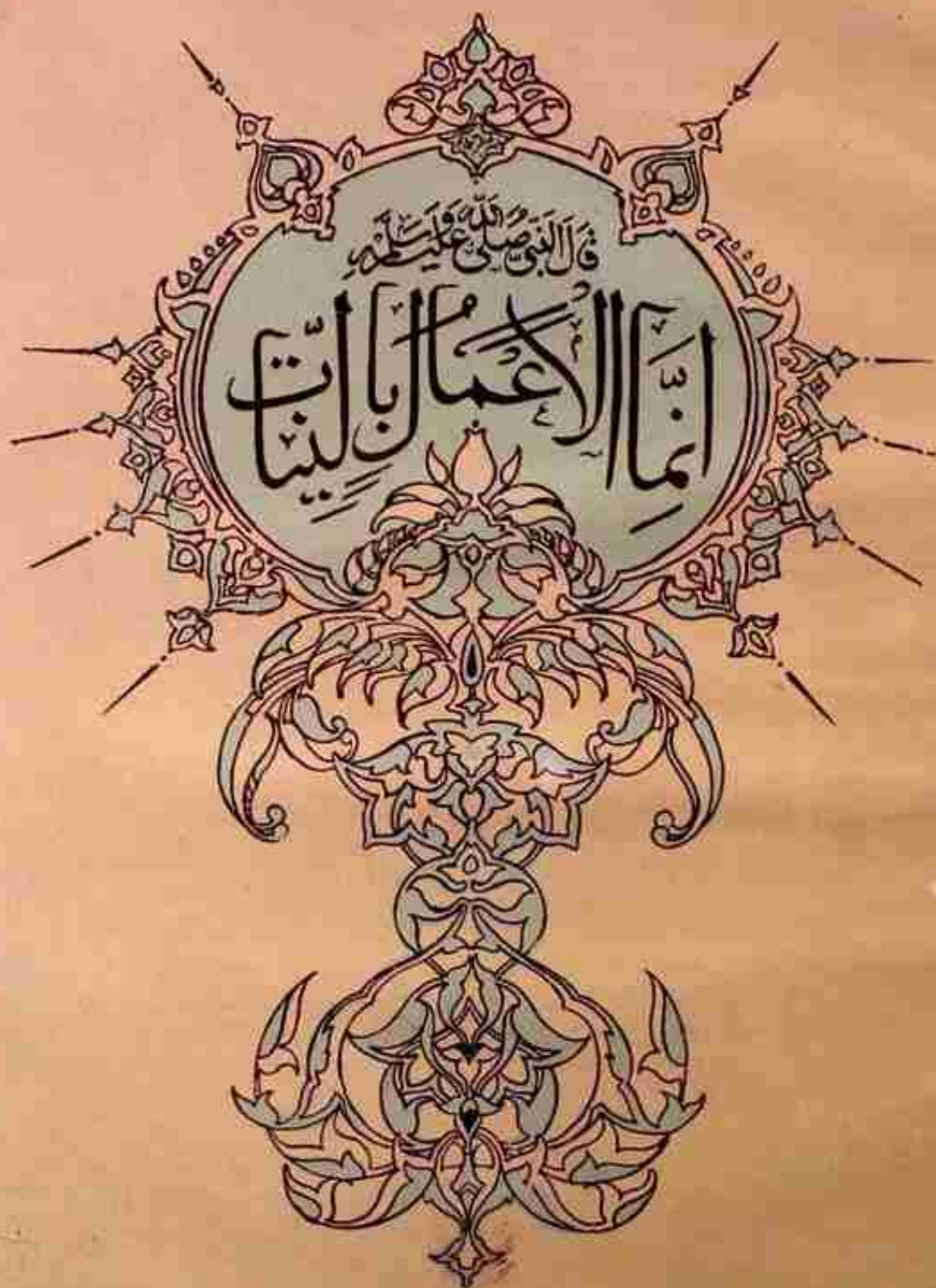
عبداللہ عتیق : 03478848884

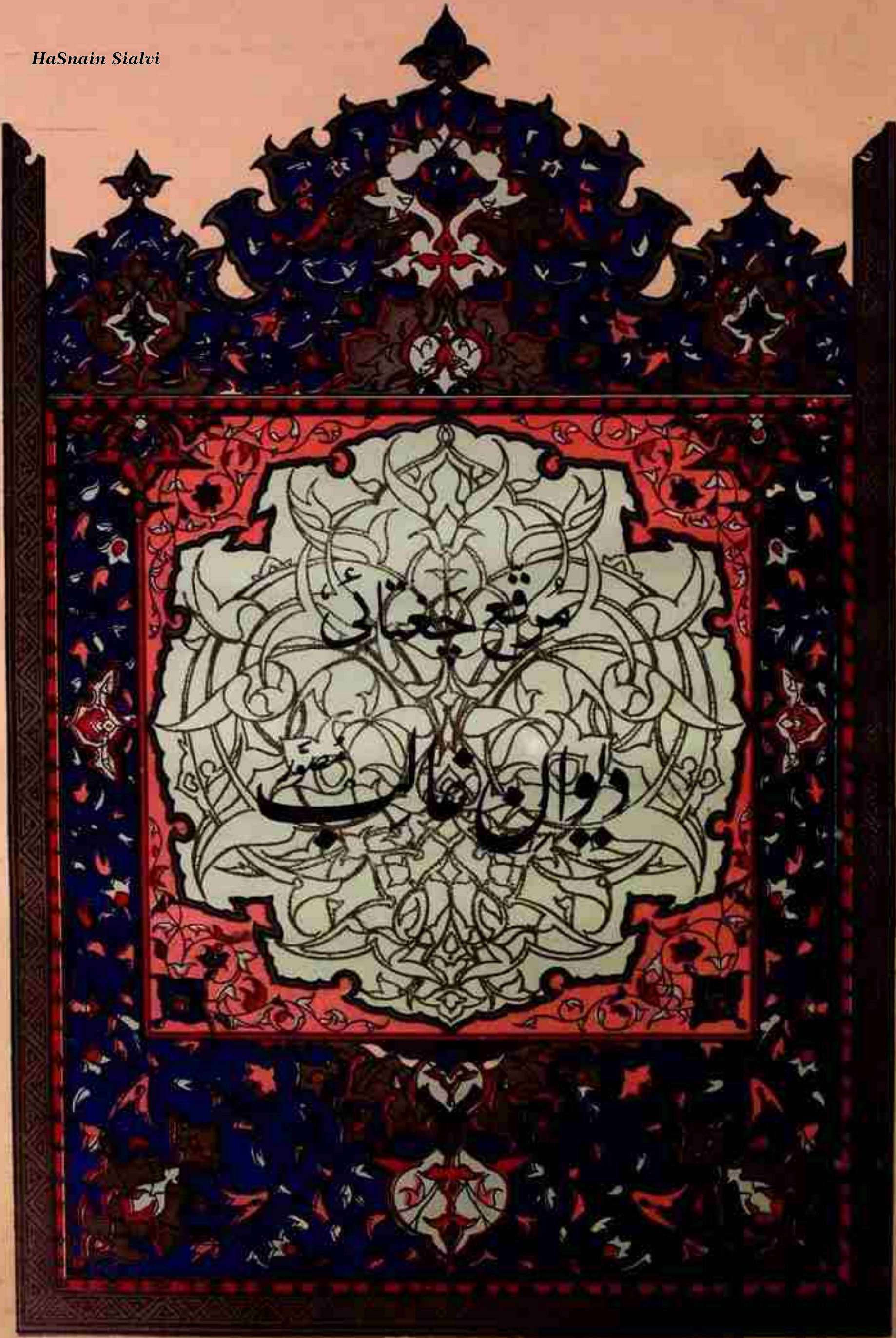
صدرہ طاہر : 03340120123

حسین سیالوی : 03056406067



ایوان اشاعت پریس لاہور





سخنہائے گفتنی

میں نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے اپنی تصنیف "فنون اور ہدایات" سے
ان چند اقتباسات کو مستحقانِ فن کے لئے ترتیب دے دیا ہے۔

مغلوں کا شاہکار "تاج محل" فرخندہ سرور سکوت میں انگڑائیاں لے رہا ہے۔ فطرت
ریشک کر رہی ہے اور موت ابھی تک اپنے کئے پر آنسو بہا رہی ہے۔ مصوٰر رنگ۔ نعموں اور الفاظ
کے سحر سے حیات کو لافانی بنانے کے لئے کوشاں ہے۔ تاج محل انہیں کاوشوں کا جیتا جاگتا ثمر ہے۔
اور اسی سوز و گداز کا ایک ڈھلکتا ہوا آنسو! "تخیل فانی زندگی کو غیر فانی بنا سکتا ہے" یہ پیغام
یہ صدا اس کے ذرہ ذرہ میں مضمر ہے۔

مُصوٰر حالتِ فیضان میں نئے نئے کوہ نور تراشنے۔ نئے نئے تاج محل تخلیق کرنے کی دُحس میں محو
رہتا ہے۔ اور اس سرستی میں زندگی کے سمٹے ہوئے بدن سے مادیت کے پردے نوج نوج کراٹک
کر دیتا ہے۔ اور زمان و مکان کی حصار بندی کو توڑ کر حقیقت کی لامتناہی فضا میں بے باکانہ داخل ہو جاتا ہے۔
شاعر ہو یا مصوٰر وہ ایسے راہِ عمل پر گامزن ہوتا ہے۔ جہاں ہر قدم پر کمکشاں کے تارے بکھرے
پڑے ہیں جہاں کے ذرے ذرے میں قوموں کا مستقبل اور ملکوں کی قسمت کا فیصلہ پوشیدہ ہے۔
یہ قدرت کا پیغام بر صنفِ نازک سے ایک گہرا لگاؤ رکھتا ہے۔ اور زندگی کے سارے سرمایہ کو
بے دریغ قدرت کی اس پُر اسرار نعمت پر قربان کرنے کے لئے آمادہ رہتا ہے۔ اور اس کے وسیلے
سے عالمگیر اوصاف۔ آزاد حسن۔ اور نازک نازک تمثیلیں اختراع کرتا رہتا ہے۔ چوہلی اور قومی کاموں میں
ہمیشہ انقلاب کا باعث ہوتی ہیں! ہ

دورِ احیاء کے مغربی مصوٰروں نے اپنی تمام کوششوں کو صرف عورت کا معیار قائم کرنے پر صرف کر دیا۔ اُن کے دل میں مریم کی یاد زندہ تھی۔ وہی ایک مقدس ہستی اُن کی رہبری کر سکتی تھی۔ ان کے پاس فن کی تکمیل کے لئے اس سے بڑھکر کوئی سرمایہ نہ تھا۔ جو اُن کے مذہبی اور قلبی احساسات کو شعلہ زن کر سکتا۔ صرف مریم کے معصوم چہرے کا تصور ان کے پیش نظر تھا۔ جس کے ارد گرد انہیں روحانی روشنی مالہ پیرا دکھائی دیتی تھی۔

مگر یہ مصوٰر جو جوشِ محبت سے کانپ رہے تھے اور روز و شب کاغذ کی سطح اور کلیساؤں کی دیواروں پر مقدس مریم کا روحانی نقش اتارنے کی فکر میں بے سہارا طوفانی کشتی کی طرح ڈگمگاتے پھرتے تھے۔ انہیں اس غیر محدود روحانیت کی حد بندی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس افقِ افق پریشاں جلوے کو وہ ایک تیز شعلے کی ہیئت میں لانے سے محروم تھے۔ رفائیل اور لینارڈو جیسے باکمال مصوٰر بھی ایسے محتاج تھے کہ مریم کی شبیہ بنانے کی فکر میں انہوں نے ایتالیا کے گاؤں گاؤں اور شہر شہر کا کونہ کونہ چھان مارا کہ کوئی مقدس چہرہ اُن کی رہنمائی کرے۔

لینارڈو نے جب مونا لیزا کو دیکھا جو صفتِ نازک کا صحیح معیار اور سرتاپا جذبات کا ایک ہنگامہ تھی تو وہ دیوانہ وار اس مقام کے ارد گرد برسوں چکر کاٹتا رہا جہاں وہ دنیاوی زندگی بسر کر رہی تھی۔ رفائیل جیسا بلند پایہ مصوٰر۔ وہ نوجوان مصوٰر جس نے اپنی الوہیت کی بنا پر پاپائے روم ہونے کا دعوئے کیا تھا لاؤلٹا کو دیکھ کر لڑکھڑاتا ہے۔ اُس کی زبان میں لکنت سی آجاتی ہے۔ اور وہ دنیاوی اعتبار سے محض ایک کٹھنار کی لڑکی تھی۔ رفائیل لاؤلٹا میں اپنی مصوری کی ابتدا اور انتہا سب کچھ دیکھتا ہے۔ دورِ احیاء کے مصوٰروں نے معنوی احساسات کو مریم اور مسیح کی محبت سے پایا تھا۔ اور یہی تلاش انہیں اپنے موڈلوں میں تھی۔ یہ اُن کی عالی حوصلگی اور دیانتداری تھی کہ وہ ذہنی کاوشوں اور اپنے ذوقِ سلیم مسیح اور مریم کا صحیح تصور پیش کرنے میں آخری دم تک جدوجہد کرتے رہے۔ اور اسی میں اپنی زندگیاں ختم کر گئے۔ رفائیل اور لینارڈو کو دیکھو اپنے موڈلوں کو کس مضرب سے چھوتے تھے۔ اور ان سے کیسے کیسے پرکیفِ نغمے پیدا کرنے میں ہمد تن مسروف نظر آتے ہیں۔ لینارڈو نے حالتِ فیضان میں

مونالزا کی معنوی خوبیوں اور گہرائیوں میں ایک ہلکا سا تہمت کھوتا ہوا دیکھا تھا۔ جو اُس کے حسن میں مچھلا رہا تھا۔ یہ اُس کی مستقل مزاجی اور دیانتداری تھی کہ اُس نے اسے غیر فانی بنانے میں اس قدر استقلال سے کام لیا جس کی مثال مغربی دنیا پھر کبھی پیدا نہ کر سکی۔

لینارڈو نے وہ شانِ رومانیت وہ نازک تاثرات جو دنیا کو دئے وہ صرف ایک پُر کیف تہمت میں پنہاں تھے۔ وہ تہمت جس نے لینارڈو کو گدگدایا۔ جسے لینارڈو کسی طرح سے بھی نہ چھپا سکا۔ مونالزا صرف ایک آئینہ تھی جس میں لینارڈو اپنا آپ اور وہ تہمت دیکھ سکتا تھا جو اسے حالتِ فیضان میں محسوس ہوا۔ اور جس پر اس نے اپنی قوتِ تخیل سے ایسی گرفت پائی تھی کہ وہ ہمیشہ کے لئے اُس کے بس میں آ گیا۔ وہ پُر اسرار راز جسے لینارڈو اور مونالزا ہی جانتے تھے۔ سوائے ایک تصویر کے کوئی عریان کر سکا اس وقت تک ہزاروں نقاد اور مصور روزانہ وہ راز مونالزا سے پوچھتے ہیں اور جواب کے لئے گھنٹوں کے سامنے بے عجز و نیاز مجسموں کی طرح خاموش کھڑے اس کے تہمت لبوں سے کچھ سُنانے کے منتظر نظر آتے ہیں۔ پر اس کے پاس انسانی تسلی کے لئے کوئی جواب نہیں سوائے ایک روحانی تہمت کے جسے لینارڈو نے مونالزا کے قالب میں آکر حاصل کیا تھا۔ آہ یہ احساس کس قدر متعذبی ہے کہ دنیا اس کے اس مختصر جواب آج تک سرور ہے۔

سے ایک چراغ است ویر خانہ واز پر تو آں - ہر کجائی مگر مہم ساختہ اندیشہ
دنیا بہت کم جانتی ہے کہ لینارڈو نے جب مونالزا کو اپنا موڈل چنا تھا یا وہ اپنی شبیہ تروانے کی غرض سے لینارڈو کے سامنے بیٹھی تو دونوں دلوں کے اندر کیا کیا جذبات کام کر رہے تھے۔ مونالزا کیا چاہتی تھی اور لینارڈو نے اُسے کیا کچھ سمجھا تھا۔ دن اور مہینے گزر گئے۔ مونالزا برابر موڈل بنی بیٹھی ہی۔ لیکن لینارڈو کا قلم ایک خط بھی نہ لگا سکا۔ لینارڈو کا قلم کیوں عاجز تھا؟ یہ لینارڈو ہی جانتا تھا۔ مونالزا تو اپنا مشاہدہ خاکہ دیکھنے کی فکر میں تھی۔ اور لینارڈو اس سے معذور تھا۔ کیونکہ وہ ایک معنی خیز تہمت کے لئے اپنے جذبات ہاتھ سے دے چکا تھا۔ جب اُس کے تصورات وہ ذہنی نقش اُتارنے سے عاری ہو چکے جو اُس نے حالتِ فیضان میں دیکھا اور محسوس کیا تھا۔ تو اُس نے مونالزا سے ہلکائی کی اور اُسے رومان سے لبریز درد انگیز افسانے سنانے۔ اُس نے بڑے بڑے باکمال مغنی جمع کئے۔ اس کے ارد گرد اگر کیبتیاں

جلائیں۔ رنگا رنگ کے پھولوں میں ایک خاص امتیاز پیدا کیا۔ پھر وہ ترم خیز آواز جو لینارڈو کی فوج سے پیدا ہوئی تھی۔ مونا لیزا کے درد بھرے دل پر کچھ اس طرح سے لگی کہ اس کا لذت آشنا دل جو بے آب اور رنگ آلود پڑا تھا۔ سوز و گداز اور ولولہ انگیز جذبات سے شعلہ کی مانند بھڑک اٹھا۔ اور وہ جو پہلے خود تماشا تھی اب خود بخود تماشا ہو گئی۔ اور اپنی شبیہ اُتروانے کا خیال بھول گئی۔ یہ لینارڈو کی کوشش تھی کہ اس کے دماغ سے یہ خیال محو کر دے کہ وہ اپنی شبیہ اُتروانے کی غرض سے اس کے سامنے موڈل بن کر بیٹھی ہے۔ اور خود اُس پر اسرار بلندی پر پہنچ جائے جس کے لئے اُس نے اُسے چُنا تھا۔ بہنو کی خیال ہے کہ لینارڈو کا یہ قلم کار مونا لیزا کی صحیح شبیہ نہیں کیونکہ وہ مونا لیزا کی نہیں بلکہ خود مصوّر لینارڈو کی تصویر ہے۔

لیکن رفائیل اور لینارڈو کے عجمی معاصرین بہزاد۔ قاسم۔ میرک اور رضا عباسی جو ہمارے دور احیاء کے بانی تھے ایک خاص امتیازی بلندی پر تھے۔ وہ کسی لاولٹا یا مونا لیزا کے محتاج نہ تھے۔ ان کے لئے ہر چہرہ مقدس چہرہ تھا۔ ہر ذرہ خورشید عالمتاب کا آئینہ بردار تھا۔ وہ ایسے مقام پر تھے جہاں تمام کائنات ایک کھلا ہوا ورق بن کر اُن کے آگے اپنے راز آشکار کر رہی تھی۔

باوجود اُن کوششوں کے جو لینارڈو اور رفائیل نے اپنے موڈلوں کو جذبات کا جامہ پہنانے میں بڑی دیانتداری سے انجام دیں۔ ایشیا کی ان خوبیوں کو جو جمالیات کی حقیقت کہلا سکتی ہیں نہ پہنچ سکیں۔ رفائیل بہزاد کے نقوش کو بڑی حیرت سے دیکھتا۔ اُس نے اور ریمبرٹ نے کئی بار عجمی مصوّر کی تقلید اور نقل میں اپنا قلم اٹھایا۔ جو اُن کے شاہکاروں سے اب بھی ظاہر ہے۔ مگر وہ موڈل کے مقلد ان آزاد بلندیوں کی دیر تک سانس نہ لے سکے اور گھبرا کر پھر دنیا کے میدانوں میں آئے۔

ایشیائی مصوّر نے وہ جذبات جو اپنے ادب اور فن سے دنیا کو عطا کئے رومان میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہی ایک واحد اصول تھا جو انہیں موڈل کی تمناؤں میں غرق نہ کر سکا۔ یہی ایک وجہ ہے کہ موڈل کا لفظ اُن کی لغت تک میں نظر نہیں آتا۔ خسرو کو جب شیریں کی طلب ہوئی تو اُس کی ساری سلطنت اور سرمایہ میں سے ایک مصوّر تھا جو یہ سمجھ سکا کہ شیریں کو حکومت اور دولت فتح نہ کر سکیگی۔ اس کے قلب اور رُوح کی جملہ

گہرائیاں پایاب تھیں۔ وہ بڑبڑا اٹھا۔ "شیریں باندیوں کی طرح حاضر ہو سکتی ہے۔" خسرو نے اُسے بہت کچھ دینا چاہا۔ مگر شاہ پور نے ایک نہ سنی اور محض اپنی مصوری کے بھروسہ پر شیریں کے وطن کی طرف چل دیا۔ اور اُس کے محل تک جا پہنچا۔ اور گلستاں میں اُس روش پر جہاں شیریں مجبوراً حرام ہوا کرتی تھی تین تصویریں پتھروں سے لدے ہوئے پودوں پر آویزاں کر دیں۔ شیریں بھولیوں کے ساتھ دُور ہی سے سرسبز صوبوں پر وہ رنگین نقش جو شاہ پور نے تیار کیا تھا دیکھتی رہی اور بے اختیار کوئی اچھی چیز سمجھ کر ہلکی لیکن ایک اجنبی کی تصویر دیکھ کر سہیلیوں کو اسے اتار کر پھینک دینے کا حکم دیا۔ جب اُسے چند قدموں پر ایک اور تصویر ملی جو خسرو کی ایک رُخی تصویر تھی۔ جس میں مصور نے چہرے کو ایک طرف سے بالکل چھپا دیا تھا شیریں کے دل میں ایک لہری اٹھی۔ اُس کی آنکھوں نے بند ہونا شروع کیا۔ اور وہ اُن جذبات کے لئے جو اُس کے دل میں یکایک پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے رُک تو ضرور گئی مگر رکتے رکتے بھی ایک نامحرم کی تصویر کو خود اپنے ماتھے سے پکڑ کر اتار دیا۔ وہ ابھی آنے والے خیالوں کے جھوم سے ہنپٹ بھی نہ چکی تھی کہ تیسری تصویر اُسے نظر پڑی۔ اس نئی دُنیا کو جس کو اُس نے بھلا رکھا تھا۔ اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ یہ تیسری تصویر مصور نے کچھ ایسے انداز سے بنائی تھی کہ وہ نوں پہلی تصویروں کی یاد تازہ کر کے اُسے محسوسات کے سمندر میں غرق کر دیا۔ اس میں چہرہ بالکل دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہی اُس کی بیتابی اور شکست کا باعث ہوا۔ اُسے پہلی تصویر کی طلب ہوئی۔ اُس نے پلٹ کر دوسری تصویر کو ایک گہری نظر سے دیکھا۔ بس اب خسرو اُس کے دل میں بس رہا تھا۔

مگر بالکمال حقیقی مصور کسی ظاہری خد و خال کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ اپنے شاہکاروں میں نئی زندگی لاتا ہے۔ تصور کے اعضاء و اطوار مصور کی انفرادی شخصیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہی اُس کا پیغام ہوتا ہے!

مصر اور یونان کے مصوروں اور بُت تراشوں کے نازک دلوں پر دیوتاؤں کا ایک گہرا اثر تھا۔ اور وہ انسانی حسن میں انہیں کا پر تو دیکھتے۔ اور اسے غیر فانی صورت دینے میں کوشاں رہتے۔ یونانیوں نے تو فطرت پرستی کے اصول کو ہمدوست کے درجہ تک پہنچا دیا۔ وہ ہر چیز کو حُسن کا نَمات کا مظہر سمجھتے تھے۔

مگر وہ روحانیت سے بالکل عاری ہو گئے۔ آخر کار ظاہری حُسن کی ارزاں شراب نے دیوتاؤں کو بھی مخمور کر دیا۔ اور وہ بھی دنیا میں عام انسانوں کی طرح چلتے پھرتے نظر آنے لگے۔ تنومند اور سبک فوجوان کمان کھینچے ہوئے۔ جریر پوش نازک عورتیں شانوں پر کھلے بال ڈالے مندروں کی طرف جاتی ہوئیں! یہ تھا اُس فن کا اختتام۔ اور یورپ بھی برسوں فقط انہیں روایات کا علم بردار رہا۔

رومانیت نے ہمیشہ قوت انفرادی اور دیگر امتیازی خصوصیات سے تہذیب اور تمدن کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہیں۔ اور ظاہر داری کو معنوی خوبیوں سے ایسا رنگ دیا کہ ہر شوخ آرائش دلوں کو نازیا اور رُحوں کو کم سواد نظر آتی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ تکلفات کے بدلے احساسات اور وضع داری کے بدلے صداقت اور شہرت پسندی کی جگہ سوز و گداز نظر آنے لگا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک لازوال مصوروں اور باکمال شاعروں بھر پور ہو گیا۔ اس گزشتہ کل کی یاد آج کی حقیقت سے بھی زیادہ زندہ اور تاثر خیز ہے!

صبح سے بہت پہلے مشرق اقصیٰ میں بدھ کی تعلیم عام ہو چکی تھی۔ یہی وقت تھا جب سنگ تراشی نے فنونِ جمیلہ میں جگہ حاصل کی تھی۔ یہی وقت تھا جب بت تراشوں کے آہنی قلم پہلے پہل مذہب کے لئے استعمال کئے گئے۔ ہند اور چین میں جس طرف دیکھو ایک مقدس شکل مندروں اور المانگا ہوں میں نظر آتی تھی۔ جس پر اُلوہیت بزرگی اور رہبانیت ٹپک ہی تھی۔ ان بتوں کو آج بھی دیکھنے سے ایک شان اُبھلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ جو اپنے جاتریوں کے لئے اس قدر طمانیت کا باعث ہے کہ اب انہیں اپنی بے ولی کے سبب ویسے بُت تراشنے کی کبھی جُرأت نہیں ہوتی!

فنونِ جمیلہ ہر جگہ مذہب کی گود میں پلے اور جوان ہوئے۔ مگر عربوں اور ان کی تائید میں عجمیوں نے فنون کی بنیادیں صرف حکیمانہ اور فطرتی اصولوں پر کھڑی کیں۔ اور مذہبی جوش اور محبت جس میں وہ سرتاپا رنگے ہوئے تھے ان کے ساتھ ساتھ خضرِ راہ کا کام دیتے رہے۔ ان کے تمام علوم و فنون اسی روش پر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے درباروں میں ہر عقیدے کا مصور نظر آتا ہے۔ خصوصاً مغلوں کی اس فیاضی اور فراخ دلی نے ایسے ایسے باکمال مصور پیدا کر دیے کہ ہم اُن پر جس قدر ناز کریں کم ہے۔ اگر مغل اور عجمی فنون کو مذہبی خدمت کے لئے پوری طرح سے کام میں لاتے تو مذہب تو خیر خود فنون خدا جانے کن بلند یوں پر پہنچ جاتے!



چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
ہر سہ سے تیز و شرمزگاہاں یکے کے ٹوٹے

دو صدیوں تک ہند میں فنون لطیفہ پر خاموشی چھائی رہی۔ بتکد سے بھی اس نعمت سے محروم ہو گئے۔ مگر مغلوں اور تاتاریوں کی عالی حوصلگی نے ایک نئی عمارت استوار کی اور اکبر کے عہد حکومت میں اتحاد کی برکتیں اور کوششیں ایسی بار آور ہوئیں کہ پھر گھر گھر مصوری اور شاعری کا چرچا ہونے لگا۔

خواجہ عبدالقہد مصور اور نادر کے کمال نے بہت سے ہندی مصور دربار میں داخل ہونے کے قابل بنائے۔ چنانچہ بے پور اور کانگرہ کے لوگ جوق در جوق درباری مصوروں سے فیض حاصل کرنے کے لئے آنے جانے لگے۔ اور بہت جلد راجپوتانہ اور کانگرہ کے پہاڑی علاقوں میں مغل تہذیب نقش پذیر ہونے لگی۔ مگر افسوس مغلوں کے مٹنے ہی سے سب کچھ خواب و خیال ہو گیا۔ آج جو نمونے دیکھنے میں آتے ہیں وہ اس خواب کا ایک ہلکا سا نقش ہیں۔ کبھی فنون اور رنگوں کے پورے عروج میں دیکھا گیا تھا۔ صلیح کل مغلوں کے آثار بہت گہرے تھے۔ ان کے فن کی بنیادیں بہت محکم تھیں۔ یہاں تک کہ غلوت سراؤں اور مندروں میں وہی نقوش۔ وہی محرابیں۔ وہی غائب کاری اور سنگ مرمر کا فراوان استعمال جو مغل مصوری اور فن تعمیر کی نواح اور ان کے فن کا بہترین اوصاف تھے۔ عام نظر آتے ہیں۔ راجپوت اور کانگرہ سکول کے حابیوں کو ایک آزاد تحریک کا نظریہ گھڑنے میں یہی نشانات سنگاہ ہیں۔ راجپوت سکول کا ایک آزاد تحریک نہ ہونے اور مغلوں کی روایات کا علمبردار ہونے کا ایک ثبوت ہمارے دور جدید کی مصوری ہے۔ بمبئی سکول ہو یا بنگال سکول دونوں ایک بات میں متفق ہیں کہ وہ کسی پیش رفتہ ہندوستانی دھارے کی موجب نہیں۔ بمبئی سکول تو خیر یورپ کی غلامانہ نقل میں محو ہے۔ مگر بنگال سکول بھی اس اعتبار سے ہندوستانی نہیں کہ وہ مغل نہیں تو مزعومہ راجپوت سکول ہی کی روایات کی تجدید کرتا۔ محض ہندوستانی دھارمک موضوعات کا استعمال کسی تحریک کو ہندوستانی نہیں بنا سکتا۔

ایشیا میں فنون جمیلہ کے سرپرست صرف مغل ہی نہ تھے۔ چین اور جاپان تو آج تک اس فن میں ممتاز ہیں۔ مگر وہ سلطنتیں جو اسلامی سلطنتیں کہلاتی تھیں۔ کچھ کم نہ تھیں۔ سسلی (صقلیہ) جس کا مرثیہ علامہ سراقبال نے خون کے آنسوؤں سے لکھا ہے محض ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ مگر وہاں کے فنون جمیلہ نے ان دنوں اٹلی اور بریس و جیورپ بھر کے فن میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا۔ ہسپانیہ میں اسلامی کارنامے زباں زد عوام ہیں آج دنیا بھر میں الحمراء کا نام فنون جمیلہ کے معراج کا مجازی نام ہے۔ ایرانی مصوروں کی جھلک آج تک دنیا بھر

کی قالین سازی میں نظر آتی ہے۔ جسے دیکھو انہیں رنگوں۔ خطوں اور نقوش کے الٹ پھیر سے تیار کیا گیا ہے۔ سر آرٹلڈ اور ڈاکٹر مارٹن جیسے نامور نقاد اور جامع التصاویر بے خوف ہو کر لکھتے ہیں کہ ایرانیوں کی وہ تصاویر جو انہوں نے "معراج نبوی" کے متعلق بنائی ہیں عقیدت اور کمال فن کے اعتبار سے یورپ کی بہترین مصوری یعنی حضرت عیسیٰ کے واقعات زندگی کی تصویروں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ یہ تو عجم کے فن کی کیفیت ہے۔ عرب کو دیکھو جن کی گھٹی میں شاعری بھری پڑی ہے۔ خیموں کے سراپردوں کی تنقیش۔ مہلوں کی آرائش اور کشیدہ کاری تو خاص ان کا اپنا فن تھا۔ ان کا ایک شاعر معرکہ عضد الدولہ کی تعریف میں ایک شعر لکھتا ہے: "فضا میں جو عقاب اُڑ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا یہ کوئی کپڑا ہے جس پر پرندوں کی تصویریں نقوش ہیں۔ اور زمین گھوڑوں کی کثرت سے ایک فرش نظر آتی تھی جس پر گھوڑے ہی گھوڑے بنے ہوئے ہوں"۔ یورپ کی سب زبانوں میں عمارتوں کے نقش و نگار کا نام عربیہ Arabisque ہے!! قاہرہ کا عجائب خانہ آج بھی ایسے نوے رکھتا ہے جسے دیکھ کر عقل ٹھوکریں کھانے لگتی ہے۔ محمد بن فضل اللہ کے بنے ہوئے عطر دان پر ایک محفل نشاط کی تصویر ہے جس کے رنگ ایسے چمکیلے اور آبدار نظر آتے ہیں گویا مصور نے اسے ابھی ابھی تیار کیا ہے۔ زمانہ نے قصر غرناطہ کا نشان تک نہ چھوڑا۔ مگر مورخ ابھی تک اس کے ایوانوں کی مرمری تصویروں اور جمالیاتی تخلیقوں کا جو تذکرہ کرتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کی یہ اسلامی حکومت بھی فنون کی سرپرستی میں دوسروں کے ہم پلہ تھی۔ افسوس اب خلیفہ ہارون الرشید کے دربار کی مصوری کی یادگار محض موزخوں کی بے جان کتابیں ہی رہ گئی ہیں! الف لیلہ اور کلیلہ و منہ میں تصاویر اور دیگر نقوش رنگین کا ذکر دیکھ کر انکھوں کے آگے پرانی عظمت کا نقشہ پھرنے لگ جاتا ہے۔

مصور کا پیغام عالمگیر بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی تہذیب میں ایسا رچا ہوا ہو کہ وہ قدیم روایات کو اپنے مخصوص انفرادی رنگ میں ڈھال سکے۔ روایات ہر فن کا خاصہ اور اس کے ازلی ابدی ہونے کی نشانی ہیں۔ مگر ایک بے شعور مشیع کے لئے یہ زنجیریں ہیں اور ایک مطلق العنان مافوق البشر کے لئے زیور! وہ مصور ہی کیا جو فطرت کی ظاہری نمائش کو اپنے ذہن کی گہرائیوں میں جذب نہ کر لے۔ جو پیش پا افتادہ سلک ہی چلتا رہے اور سمندر کے اس کنارے کھڑا اس دوسرے ساحل کو نہ دیکھ سکے جو کمکشاں کی گرد میں ستور ہے۔

اور جس کی تلاش میں انسان صدیوں سے کوشاں ہیں *

مصور حقیقت کا راز داں ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ صنایع عالم نے آسمان پر تاروں کو کس لئے بے ترتیبی سے بکھیر رکھا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ہر انسان کے خد و خال و اضلاع و اطوار ایک ہی جیسے ہوتے تو زندگی کس قدر دشوار ہو جاتی۔ اس لئے وہ قبیح سے آزاد ہو کر تخلیق کرتا ہے۔ اور یکسانیت میں اضافہ کرنے کی بجائے تازہ اختراعات کرتا ہے *

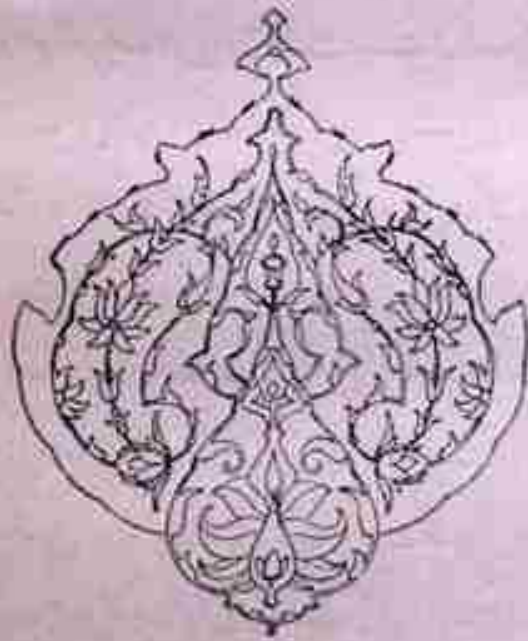
ہر نئی بات۔ ہر نئی تحریک۔ اگر اس میں کوئی زندگی ہے۔ مخالفت کا موجب بنتی ہے۔ تصنیفات کی کچھڑ میں لتھڑا رہنے والا سہل و درزا انسان ہر نئی کروٹ۔ ہر نئے نقطہ نظر سے جھجھکتا ہے۔ اور زیندہ سے جگانے والے موذن سے گھبراتا ہے۔ کاش وہ جس قدر طاقت اس زندگی کے بڑھتے ہوئے طوفان کو اپنے داماندہ ہاتھوں سے روکنے میں مصروف کرتا ہے اگر اس سے بہت کم کوشش نئی تحریک کو سمجھنے میں صرف کرے تو تاریخ عالم بے معنی بازگشت سے پاک ہو جائے۔ مگر یہ مخالفت صنایع کو بے دل نہیں کرتی۔ وہ اس سے اور چمکتا ہے۔ اور اپنی انفرادیت کی نشو و نما میں زیادہ مصروف ہو جاتا ہے۔

نوار تلخ تر سے زن چو ذوق نغمہ کم یابی حدی را تیز تر سے خوان چو محل را گراں بینی

اس میں مغربی اور مشرقی مصور دونو شریک ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ملک کی حد بندی سے ہمارا فن بالکل پاک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج یورپ میں مصوری کے احیاء کی بنائیشیائی روایات ہیں۔ اور یورپ کے بہترین نقاد اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ مصور کا کام کائنات کے اسرار کو بے پردہ کرنا ہے۔ پریشانی کو ترتیب دینا ہے۔ اپنے تفکرات کو صورت پذیر بنانا ہے۔ اور جہاں کہیں جو کوئی اس میں زیادہ کامیاب ہے دوسرا اس کی فوقیت کا اقرار ہی ہے۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر تہذیب کا طرز خیال الگ ہے۔ اور مصور اپنی ہی تہذیب کے محاسن کا ترجمان ہو سکتا ہے۔ مشرقی اور مغربی مصوری میں امتیاز بھی اسی اسلوب سے کیا جاسکتا ہے اور یہ امتیاز دونو ممالک کے ہر شعبہ حیات میں نمایاں ہے۔ مشرقی روحانیت کا جو یا ہے۔ اسے ظاہر کی پشت پر ایک باطن نظر آتا ہے۔ اور مغربی باطن کو بھی ظاہر ہی کا ایک جوہر لطیف خیال کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی نقاد جب کسی مغربی مصور کو ان روحانی بلندیوں پر پہنچا ہوا دیکھتے ہیں تو اسے "مشرقی" ہونے کی صفت سے متصف کرتے ہیں۔ غالباً

اس کی بہترین شال بوٹیجیلی ہو سکتا ہے !
 محاسن کا معیار دونوں جگہ مصوٰر ہی کی شخصیت ہے ! تصویر ظاہری منظر کی شبیہ نہیں بلکہ مصوٰر کے اپنے
 ذہن کی ترجمان ہوتی ہے۔ اور مصوٰر خود دادی جنوں کے پُر پیچ راستوں میں سے قیس عامری کی طرح جیب دہن
 کی آلائشوں کو دُور کرتا ہوا آپ ہی تن تنہا منزل کی طرف جارہا ہوتا ہے۔ اُٹ ! یہاں کیسی عمیق نظر نقاد تھی کہ
 اُس نے قیس کو مجنوں کے جامد میں پہچان لیا اور اپنے آپ کو اس وحشت کے اُٹھانے ہوئے غبار میں گم کر دیا !
 دم چسپیت ؟ پیام است شنیدی ؟ نشیدی در خاک تو یک جلوہ عام است ندیدی !
 دیدن دگر آموزا شنیدن دگر آموزا !

محمد عبدالرحمن چغتائی
 لاہور





غزلیات

نقش فریادی ہے کس کی شوخی مخسیر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا
کاؤ کا دستخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا
جذبہ بے اختیار شوق دیکھا چاہئے
سینہ شمشیر سے باہر ہے دشم شیر کا
آگہی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنفتا ہے اپنے عالم تقریر کا
بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیر پا
موتے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا



جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
 ہفتگی نے نقش سویدا کیا درست
 تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
 لیتا ہوں مکتب غم دل میں سبق ہنوز
 ڈھانپا کفن نے داغ عیوب بہنگی
 تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد
 کہتے ہونہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا
 عشق سے طبیعت نے زیت کامزایا
 دوستدار دشمن ہے اعتماد دل معلوم
 سادگی و پُرکاری بخودی و ہشیاری
 غنچہ پھر لگا رکھنے آج ہم نے اپنا دل
 حال دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی
 شورِ پند ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا
 دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا
 دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
 میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا
 عرض کیجئے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں
 دل نہیں تجھ کو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار
 میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل

صحرائے مگر بہ تنگی چشم سود تھا
 ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا
 جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا
 لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا
 میں ورنہ ہر لباس میں ننگ و جود تھا
 سرگشتہ حصارِ رسوم و قیود تھا
 دل کہاں کہ گم کیجئے ہم نے مدعا پایا
 درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا
 آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا
 حسن کو تغافل میں جرأت آزا پایا
 خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا
 ہم نے بارہا ڈھونڈھا تم نے بارہا پایا
 آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا
 آتش خاموش کے مانسہ گویا جل گیا
 آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
 میری آہ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا
 کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرایا جل گیا
 اس چراغاں کا کروں کیا کار فرما جل گیا
 دیکھ کر طے ز تپاک اہل نیسا جل گیا

شوق ہر رنگ رقیب سرو سامان نکلا
 زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی یارب
 بوئے گل نالہ دل دود چراغ محفل
 دل حسرت زدہ تھا مائدہ لذت درد
 ہے نو آموز فنا ہمت دشوار پسند
 دل میں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب
 دھکی میں مر گیا جو نہ باب نبرد تھا
 تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
 تالیف نسخہ مے وفا کر رہا تھا میں
 دل تاجگر کہ ساحل دریائے خوں ہے اب
 جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہ عشق کی
 اجباب چارہ سازی وحشت نہ کر سکے
 یہ لاش بے کفن اسد خستہ جاں کی ہے
 دہرین نقشش وفا و خیرت سلی نہ ہوا
 سبزہ خط سے ترا کا کل سرکش نہ وبا
 میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں
 دل گزر گاہ خیال مے و ساغر ہی سہی
 ہوں ترے وعدہ نہ کرنے پہ بھی راضی کہ کبھی
 کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجے

قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا
 تیر بھی سینہ بوسل سے پرفشاں نکلا
 جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
 کام یاروں کا بقدر لب و دندان نکلا
 سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا
 آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفان نکلا
 عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا
 اڑنے سے پیشتر بھی مرانگ زرد تھا
 مجموعہ خیال ابھی فرد فرد تھا
 اس رہگذر میں جلوہ گل آگے گرد تھا
 دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا
 زنداں میں بھی خیال بیاباں نور و تھا
 حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا
 ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا
 یہ زمرہ بھی حریف دم افعی نہ ہوا
 وہ شکر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا
 گر نفس جاوہ سر منزل تقویٰ نہ ہوا
 گوش منت کش گلابا نگ تسلی نہ ہوا
 ہم نے چاہا تھا کہ مرجا میں سو وہ بھی نہ ہوا

مرگیا صد مہیک جنبش لب سے غالب
 ستایش گر ہے زاہد اس قدر جس باغ رضواں کا
 بیاں کیا کیجیے بیداد کا و شہما کے مڑگاں کا
 نہ آئی سطوت قاتل بھی مانع میرے نالوں کو
 دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے
 کیا آئینہ خانے کا وہ نقش تیرے جلوہ نے
 مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
 اگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر
 خموشی میں نہاں خوگشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
 ہنوز اک پر تو نقش خیال یار باقی ہے
 بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں ورنہ
 نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
 نظریں ہے ہماری جاوہ راہ فنا غالب
 محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا
 رنگ شکستہ صبح بہارِ نظارہ ہے
 تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز
 صرف ہے ضبط آہ میں میرا و گرنہ میں
 ہیں بسکہ جوش بادہ سے شیشے اچھل رہے
 کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز

ناتوانی سے حرلیب دم عیسیٰ نہ ہوا
 وہ اک گلہ ستہ ہے ہم جیخودوں کے طاق نیساں کا
 کہ ہر اک قطرہ خوں دانہ ہے تسبیح مرجاں کا
 لیا دانتوں میں جو تینکا ہوا ریشہ نیستاں کا
 مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سر و چراغاں کا
 کرے جوں پر تو خورشید عالم شہنشاں کا
 ہیولے برق خرمن کا ہے خون گرم دہقان کا
 مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا
 چراغ مژدہ ہوں میں بے زباں گور غریباں کا
 دل افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا
 سبب کیا خواب میں آکر تبسم ہائے پہناں کا
 قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مڑگاں کا
 کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا
 یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
 یہ وقت ہے شگفتن گلہائے ناز کا
 میں اور دکھ تری مرثہ ہائے دراز کا
 طعمہ ہوں ایک ہی نفس جانگداز کا
 ہر گوشہ بساط ہے سر شیشہ باز کا
 ناخن پستہ رض اس گرہ نیم باز کا



گونا گونا گویاں نہیں آئیں تو دم ہے
رہنے دوا بھی ساغر و مینا مے آگے

تاراج کاوش غم ہجران ہوا اسد
 بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
 شب ہوئی پھر انجم خشنده کا منظر کھلا
 گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب
 گو نہ سمجھوں اُس کی باتیں گو نہ پاؤں اُس کا بھید
 ہے خیال حُسن میں حُسنِ عمل کا سا خیال
 منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں
 در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا
 کیوں اندھیری ہے شبِ غم ہے بلاؤں کا نزول
 کیا رہوں غربت میں خوش جب ہو حوادث کا یہ حال
 ہسکی اُمت میں میں میں میرے رہیں کیوں کام بند
 شب کہ برق سوز دل سے زہرہ ابراب تھا
 واں کرم کو عذر بارش تھا عناں گیر خرام
 واں خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال
 جلوہ گل نے کیا تھا واں چراغاں آب جو
 یاں سر پر شور و بیخوابی سے تھا دیوار جو
 یاں نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بخودی
 فرش سے تاعش واں طوفان تھا موج رنگ کا
 ناگمان اس رنگ سے مٹنا نہ چکانے لگا

سینہ کہ تھا فعیف گہرائی راز کا
 رکھیو یا رب یہ در گنجینہ گوہر کھلا
 اس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا در کھلا
 آستیں میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں خنجر کھلا
 پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پر می پیکر کھلا
 خلد کا ایک در ہے میری گور کے اندر کھلا
 زلف سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے منہ پر کھلا
 جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بس تر کھلا
 آج ادھر ہی کو رہے گا دیدہ آخر تر کھلا
 نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ برا کشر کھلا
 واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا
 شعلہ ہوا ہر اک حلقہ گرداب تھا
 گریہ سے یاں پنہاں بالش کف سیلاب تھا
 یاں جھوم اشک میں تارنگہ نایاب تھا
 یاں رواں مژگان چشم تر سے خون ناب تھا
 واں وہ فرقِ ناز مخو بالش کخواب تھا
 جلوہ گل واں باطِ صحبت احباب تھا
 یاں نہیں سے آسمان تک سوختن کا باب تھا
 دل کہ ذوق کا وشن ناخن سے لذت یاب تھا

نالہ دل میں شب اندازِ اثرِ نایاب تھا
 مقدمِ سیلاب کے دل کیا نشاط آہنگا ہے
 نازِ شش ایام خاکستر نشینی کیا کہوں
 کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یاں
 آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے
 یاد کروہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا
 میں نے روکا رات غالب کو ورنہ دیکھتے
 ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب
 اب میں ہوں اور ماتم یک شہرِ آرزو
 گلیوں میں میری بخش کو گھینے پھر کر میں
 موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال
 کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پڑا اب
 بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
 گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
 دوائے دیوانگی شوق کہ ہر دمِ محب کو
 جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
 عشرتِ قتلِ گر اہلِ تمنا مست پوچھ
 لے گئے خاک میں ہم دماغِ تنائے نشاط
 عشرتِ پارہ دل زخیمِ تمنا کھانا

تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر گو بے تاب تھا
 غاضبِ عاشق مگر سازِ صدا ئے آب تھا
 پہلو ئے اندیشہ وقفِ بسترِ سنجاب تھا
 ذرہ ذرہ رُکوشِ خورشیدِ غالب تھا
 کل تک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا
 انتظارِ صید میں اک دیدہ بے خواب تھا
 اُس کے سیلِ گریہ میں گردوں کفِ سیلاب تھا
 خونِ جگر و دیعتِ مرثگانِ یار تھا
 توڑا جو تو نے آئینہ مثالِ اُرتھا
 جاں داؤد ہوا ئے سرِ رگہ اُرتھا
 ہر ذرہ مثلِ جوہرِ تیغِ اُبد اُرتھا
 دیکھا تو کم ہوئے عیشِ روزگار تھا
 آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
 در و دیوار سے ٹپکے ہے بیا باں ہونا
 آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیراں ہونا
 جو ہر آئینہ بھی چاہے ہے مرثگان ہونا
 عیدِ نظارہ ہے شمشیرِ کاعریاں ہونا
 تو ہو اور آپ بصدِ رنگِ گلستاں ہونا
 لذتِ ریشِ جگر غرقِ نسکداں ہونا

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
 جیف اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
 شب خمار شوق ساقی رشتہ اندازہ تھا
 یک قدم وحشت ورس و فقر امکان کھلا
 مانع وحشت خرامی ہائے لیلیٰ کون ہے
 پوچھ مت رسوائی انداز استغنائے حسن
 نالہ دل نے دیئے اور ارق نخت دل بباد
 دوست غمخواری میں میری سہمی فرمائینگے کیا
 بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تک
 حضرت ناصح گرائیں دیدہ و دل فرس راہ
 آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
 گر کیا ناصح نے ہم کو قیاس اچھا یوں ہی
 خانہ زاد زلف میں زنجیر سے بھاگینگے کیوں
 ہے اب اس معورہ میں قحط غم الفت اسد
 یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
 ترے وعدے پر جیتے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
 تری ناز کی سے جانا کہ بندھا تھا عند بودا
 کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیکش کو
 یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح

ہائے اُس زود پشیاں کا پشیاں ہونا
 جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا
 تا محیط بادہ صورت خانہ خمیا زہ تھا
 جادہ اجڑائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا
 خانہ مجنون صحر اگر دے دروازہ تھا
 دست مرہون جنا رخسار رہن خانہ تھا
 یادگار نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا
 زخم کے بھرنے تک ناخن نہ بڑھائیگے کیا
 ہم کینگے حال دل اور آپ فرمائینگے کیا
 کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیگے کیا
 عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیگے کیا
 یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا
 ہیں گزقار و فانی زنداں سے گھبرا ئینگے کیا
 ہم نے یہ مانا کہ دلی میں ہیں کھائیگے کیا
 اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
 کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
 کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا
 یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
 کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
 غم اگر چہ جان گسل ہے یہ کہاں پچیں کہ دل ہے
 کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بُری بلا ہے
 ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں غرقِ دریا
 اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
 یہ مسائلِ تصوف۔ یہ ترا بیانِ غالب
 ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
 تجاہلِ پیشگی سے مدعا کیا
 نوازشِ ہائے بیجا دیکھتا ہوں
 نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں
 فروغِ شعلہٴ خس یک نفس ہے
 نفسِ موجِ محیطِ بے خودی ہے
 دماغِ عطرِ پیراہن نہیں ہے
 دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا لہجہ
 محابا کیا ہے۔ میں ضامن۔ ادھر دیکھ
 سن اے غارتِ گرجنسِ وفا۔ سن
 کیا کس نے جگر داری کا دعوئے
 یہ قاتلِ وعدہ صبرِ آزما کیوں
 بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات

جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
 غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا
 مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
 نہ کبھی جہنمِ آلودہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا
 جو دُور کی بُو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا
 تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادِ خوار ہوتا
 نہ ہو مرنا تو بیچنے کا مزا کیا
 کہاں تک اے سراپا ناز کیا گیا
 شکایتِ ہائے رنگیں کا گلا کیا
 تغافلِ ہائے مستکیں آزما کیا
 ہوس کو پاس ناموسِ وفا کیا
 تغافلِ ہائے ساقی کا گلا کیا
 غمِ آوارگی ہائے صبا کیا
 ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
 شہیدانِ نگہ کا خون بہا کیا
 شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا
 شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا
 یہ کافرِ فتنہ طاقِ ربا کیا
 عمارت کیا۔ اشارت کیا۔ ادا کیا

وہی اک نایت ہے جو یوں نفسِ انِ حرکتِ گل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں فانی کا



درخوہ قہر و غضب جب کوئی ہمسائہ ہوا
 بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود ہیں کہ ہم
 سب کو مقبول ہے دعویٰ تری بکیتانی کا
 کم نہیں نازش ہنمامی چشمِ خوباں
 سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا
 نام کا میرے ہے جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا
 ہر بے سوسے دم ذکر نہ ٹپکے خوشناب
 قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
 تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑینگے پرزے
 پے نذرِ کرم تحفہ ہے شرم نارسائی کا
 نہ ہو حسن تماشا دوستِ رسوا بیوفائی کا
 زکوٰۃ حسن دے اے جلوہ بینش کہ مہر آسا
 نہ مارا جان کر بے جرم غافل تیری گردن پر
 تنہاے زباں مجھ سپاس بے زبانی ہے
 وہی اک بات جو بانِ نفس ان نکمت گل ہے
 وہاں ہر صفت پیغارہ جو زنجیرِ رسوائی
 نہ دے نام کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے
 گر نہ اندوہ شبِ فرقت بیاں ہو جائیگا
 زہرہ گرا یا سا ہی شامِ حجب میں ہوتا ہے آب

پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
 اُلٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا
 رو برو کوئی بُت آئینہ ہیسا نہ ہوا
 تیرا ہمیں سار بُرا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا
 خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریائے ہوا
 کام میں میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہ ہوا
 حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا
 کھیل لڑکوں کا ہوا دیدہ ہیسا نہ ہوا
 دیکھنے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہوا
 بخون غلطیہ صد رنگ دعویٰ پارسائی کا
 بہ مہر صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا
 چراغِ خانہ درویش ہو کا سہ گدائی کا
 رہا مانند خون بے گنہ حق آشنائی کا
 مٹا جس سے تقاضا شکوہ بیدست پائی کا
 چمن کا جلوہ باعث ہے مری شکیں فانی کا
 عدم تک بے وفا چرچا ہے تیری بیوفائی کا
 کہ حسرتِ پنج ہوں عرضِ ستمائے جدائی کا
 بے تکلف داغِ مہرِ دہاں ہو جائیگا
 پر تو مہتابِ سیلِ خانساں ہو جائیگا

لے تولوں سوتے میں اُس کے پاؤں کا بوسہ مگر
 دل کو ہم صرف وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا
 سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
 گر نگاہ گرم فرماتی رہی تسلیم ضبط
 باغ میں مجھ کو نہ لے جاوے نہ میرے حال پر
 واسے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
 فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسد
 اسد ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سرو پا ہیں
 درویشت کشش دوا نہ ہوا
 جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟
 ہم کہاں قسمت آزمائے جائیں
 کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
 ہے خبر گرم اُن کے آنے کی
 کیا وہ نمرود کی حسدائی تھی؟
 جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
 زخم گردب گیا لہو نہ تھما
 رہزنی ہے کہ دلستانی ہے!
 کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہیں
 بگدہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا

ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائیگا
 یعنی یہ پہلے ہی نذر امتحان ہو جائیگا
 مجھپ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائیگا
 شعلہ خس میں جیسے خونِ گ میں نہاں ہو جائیگا
 ہر گل تر ایک چشمِ خوفشاں ہو جائیگا
 اب تلک تو یہ توقع ہے کہ وہاں ہو جائیگا
 دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا
 کہ ہے سرِ بچہ مرگاہن آہو پشت خار اپنا
 میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
 اک تماشا ہوا بگلا نہ ہوا
 تو ہی جب خنجر آزمائے ہوا
 گالیاں کھا کے بے مزائے ہوا
 آج ہی گھر میں بوریانہ ہوا
 بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
 حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
 کام گر رک گیا رونا نہ ہوا
 لے کے دل داستانِ روانہ ہوا
 آج غالب غزل سرا نہ ہوا
 گھر میں منحو ہوا اضطرابِ دریا کا

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب
 خنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے بھی
 غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو
 ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہوں
 دل اُس کو پہلے ہی ناز و اداسے دے بیٹھے
 نہ کہہ کر یہ بمقدار حسرت دل ہے
 فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں سکویا داسد
 قطرہ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا
 اعتبار عشق کی خانہ خرابی دیکھنا
 جب بقریب سفریار نے محل باندھا
 اہل بینش نے ہجرت کدہ شوخی ناز
 یاس و اُمید نے یک عربہ میداں مانگا
 نہ بندھے تشنگی ذوق کے مضمون غالب
 میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں
 ہے ایک تیر جس میں دو نوچھدے پڑے ہیں
 در ماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں
 گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا
 تنگی دل کا گلہ کیا یہ وہ کافر دل ہے
 بعد یک عمر ورع بار تو دیتا بارے

مگر ستمزدہ ہوں ذوق خامہ فرسا کا
 دوام کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا
 مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا
 کرے ہے ہر بن مو کام چشم بینا کا
 ہیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا
 مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا
 جفا میں اُس کی ہے انداز کار فرما کا
 خطِ جام مے سراسر رشتہ گوہر ہوا
 غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا
 پیش شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا
 جو ہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا
 عجز ہمت نے ظلم دل سائل باندھا
 گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا
 گر میں نے کی تھی تو بہ ساقی کو کیا ہوا تھا؟
 وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا
 جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا
 بحر گر بجس نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا
 کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
 کاش رضواں ہی دریا کا درباں ہوتا

نہ تھا کچھ۔ تو خدا تھا۔ کچھ نہ ہوتا۔ تو خدا ہوتا
 ہوا جب غم سے یوں بحیں تو غم کیا سر کے کٹنے کا
 ہوئی مدت کہ غالب مر گیا۔ پر یاد آتا ہے
 یک ذرہ زمیں نہیں بیکار باغ کا
 بے مے کسے ہے طاقتِ آشوب آگہی
 بلبل کے کار و بار پہ ہیں خندہ ہائے گل
 تازہ نہیں ہے نشہ فکر سخن مجھے
 سو بار بند عشق سے آزاد ہم ہوئے
 بے خون دل ہے چشم میں موجِ نگہ غبار
 باغِ شگفتہ تیرا۔ بساطِ نشاطِ دل
 وہ مری چین جیسے سے غم پہناں سمجھا
 یک الف بیش نہیں۔ صیقلِ آئینہ ہنوز
 شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطر مت پوچھ
 بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرم خرام
 عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا
 سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی
 تھا گریزاں مژدہ یار سے دل تادمِ مرگ
 دل دیا جان کے کیوں اُس کو وفادار اسد
 پھر مجھے دینے تر یاد آیا

ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
 نہ ہوتا اگر جُدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا
 وہ ہر اک بات پر کٹنا۔ کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا
 یاں جاوہ بھی قلیل ہے لالہ کے داغ کا
 کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خطِ ایام کا
 کہتے ہیں جس کو عشقِ خلل ہے دماغ کا
 تریاکیِ مستدیم ہوں دودِ چراغ کا
 پر کیا کریں۔ کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا
 یہ میسکہ خراب ہے مے کے سراغ کا
 ابر بہار۔ عتسکہ کس کے دماغ کا
 رازِ مکتوب بہ بے ربطی عنوان سمجھا
 چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا
 اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا
 رخ پہ ہر قطرہ عسرق دیدہ حیراں سمجھا
 نبضِ خس سے تپشِ شعلہ سوزاں سمجھا
 ہر قدم سایہ کو میں اپنے شبستاں سمجھا
 دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا
 غلطی کی کہ جو کافر کو مسلاں سمجھا
 دل جگر تشنہ فریاد آیا



یک نظر بیش ازین فرصت غافل
گر می بزم ہے اک قصہ شر و فحش

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
 سادگی مائے تمنا - یعنی
 عذروا ماندگی - اے حسرتِ دل
 زندگی یوں بھی گزر رہی جاتی
 کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی
 آہ - وہ جڑا ست فریاد کہاں
 پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال
 کوئی ویرانی سی ویرانی ہے!
 میں نے مجنوں پر لڑکپن میں سد
 ہوئی تاخیر - تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا
 تم سے یہاں ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
 تو مجھے بھول گیا ہو - تو پتہ بتلا دوں
 قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد
 بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
 یوسف اسکو کہوں اور کچھ نہ کہے! خیر ہوئی
 دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجہ ٹھسٹا؟
 پیشہ میں عیب نہیں رکھئے نہ فرہاد کو نام
 ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
 پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناقہ

پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا
 پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا
 نالہ کرتا تھا - جگر یاد آیا
 کیوں ترا راہ گزر یاد آیا
 گھر ترا حُسد میں گریا یاد آیا
 دل سے تنگ آکے جگر یاد آیا
 دل گم گشتہ مسکریا یاد آیا
 دشت کو دیکھ کے گھریا یاد آیا
 سنگ اٹھایا تھا کہ سریا یاد آیا
 آپ آتے تھے - مگر کوئی عنایا گریہ بھی تھا
 اُس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی تھا
 کبھی فراق میں تیرے کوئی پنخیر بھی تھا
 ہاں کچھ اک رنج گراںباری زنجیر بھی تھا
 بات کرتے کہ میں لب تشنہ تقریر بھی تھا
 گر بگڑ بیٹھے تو میں لائقِ تعزیر بھی تھا
 نالہ کرتا تھا - ولے طالبِ تاثیر بھی تھا
 ہم ہی آشفۃ ہسروں میں وہ جواں میر بھی تھا
 آخر اُس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا
 آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

ریتختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب
 لب خشک و تشنگی مُردگان کا
 ہمہ نامیہ سدی ہسہ بدگمانی
 تو دوست کسی کا بھی ستگر نہ ہوا تھا
 چھوڑا مہِ نخب کی طرح دستِ قضا نے
 توفیقِ باندازۂ ہمت ہے ازل سے
 جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدیار کا عالم
 میں سادہ دل آزر دگنی یار سے خوش ہوں
 دریائے معاصی تنکابی سے ہوا خشک
 جاری تھی اسدِ دماغِ جگر سے مرے تحصیل
 شب کہ وہ مجلسِ فروزِ خلوت ناموس تھا
 مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جو اگتی ہے حنا
 حاصلِ الفت نہ دیکھا جزِ شکستِ آرزو
 کیا کموں بیماریِ غم کی فراغت کا بیان
 آئینہ دیکھ اپنا سامنہ لے کے رہ گئے
 قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ مارے
 عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا
 جاتا ہوں دماغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے
 مرنے کی اسے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں

کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا
 زیارت کدہ ہوں دل آزر دگان کا
 میں مل ہوں فریب و فاخوردگان کا
 اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا
 خورشیدِ ہنوز اُس کے برابر نہ ہوا تھا
 آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا
 میں معتقِ فتنہ محشر نہ ہوا تھا
 یعنی سبقِ شوقِ مکر نہ ہوا تھا
 میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
 آتشکدہ جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا
 رشتہ ہر شمعِ خارِ کسوتِ فانوس تھا
 کس قدر یارب ہلاکِ حسرتِ پابوس تھا
 دل بدل پیوستہ گویا اک لبِ افسوس تھا
 جو کہ کھایا خونِ دل بے منتِ کیموس تھا
 صاحبِ کو دل نہ دینے پہ کتنا غور تھا
 اُس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا
 جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
 ہوں شمعِ کُشتہ درخوَرِ محفل نہیں رہا
 شایانِ دست و بازوئے قابل نہیں رہا

بر رُوئے شش جہت در آئینہ باز ہے
 وا کر دیے ہیں شوق نے بند نقابِ حُسن
 گوئیں رہا۔ رہیں ستم ہائے روزگار
 دل سے ہوائے کثرت و فامت گئی کہ واں
 بیدارِ عشق سے نہیں ڈرتا۔ مگر سدا
 رشک کہتا ہے کہ اُس کا غیر سے اخلاص حیف
 ذرہ ذرہ۔ ساغرِ میخانہ نیرنگ ہے
 شوق ہے۔ ساماں طرازِ نازش اربابِ عجز
 میں۔ اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل وحشی کہ ہے
 شکوہ سنج رشک ہمدیگر۔ نہ رہنا چاہئے
 ربطیک شیرازہ وحشت ہیں اجزائے بہار
 کو بہن نقاش یک مثال شیریں تھا اسد
 ذکر اُس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
 مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یارب
 منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
 دے وہ جس قدر زلت ہم ہنسی میں ٹالینگے
 در و دل لکھوں کب تک جاؤں انکو دکھلاؤں
 گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا
 تاکرے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو

یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا
 غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا
 لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
 حائل۔ سوائے حسرت حاصل نہیں رہا
 جس دل پر ناز تھا۔ مجھے۔ وہ دل نہیں رہا
 عقل کہتی ہے۔ کہ وہ بے مہر کس کا آشنا
 گردش مجنون۔ چپکھماٹے لیسلا آشنا
 ذرہ۔ صحرا دست نگاہ۔ و۔ قطرہ۔ دریا آشنا
 عافیت کا دشمن۔ اور۔ آوارگی کا آشنا
 میرا۔ زانو موئس۔ اور آئینہ تیرا آشنا
 سبزہ بیگانہ صبا آوارہ گل نا آشنا
 سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا
 بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا
 آج ہی ہوا منظور اُن کو آتھیاں اپنا
 عرش سے ادھر ہوتا کا شکے مکاں اپنا
 بارے آشنا نکلا اُن کا پاساں اپنا
 انگلیاں فگار اپنی خامہ خوں چکاں اپنا
 ننگ سجدہ سے میرے سنگ آستاں اپنا
 دوست کی شکایت میں ہم نے ہمزباں اپنا

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں کیتا تھے
 سُرْمہ مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے
 رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم
 غافل بروہم ناز خود آرا ہے ورنہ یاں
 بزمِ قدح سے عیشِ تنانہ رکھ کہ رنگ
 رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
 مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے
 جاں درہوائے یک نگہ گرم ہے اسد
 جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا
 رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
 لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ
 ہو لئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ
 موجِ خوں سر سے گز رہی کیوں جائے
 عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
 پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
 لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
 حریفِ جوشِ دریا نہیں خود داریِ ساحل
 عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
 تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قفلِ ابجد

بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا
 کہ رہے چشمِ خریدار پہ آسماں میرا
 تیرے چہرے سے ہو ظاہر غمِ ہنساں میرا
 بے شانہ صبا نہیں سترہ گیاہ کا
 صیدِ زوام جستہ ہے اس دُام گاہ کا
 شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا
 پُر گل خیالِ جسم سے امن نگاہ کا
 پروانہ ہے وکیل ترے دادخواہ کا
 کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا
 ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبراؤں کیا
 جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
 یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا
 آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا
 مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا
 کوئی بتلاؤ کہ ہسم بتلائیں کیا
 چمن زنگار ہے آئینہ بادِ بہاری کا
 جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا
 درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا
 تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا



زدیں ہے خوش عمر کہاں دیکھے تھے
نے اچھا باگ پر ہے نہ پاپ رکاب میں



دل ہوا کشمکش چارہ زحمت میں تمام
 اب بھاسے بھی میں محسوس ہم اللہ اللہ
 ضعف سے گریہ مبتدل بہ دم سرد ہوا
 دل سے مٹنا تری انگشت خانی کا خیال
 ہے مجھے ابر بہاری کا برس کر کھلنا
 گر نہیں نکست گل کو ترے کوچہ کی ہوس
 تاکہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوائے صیقل
 بخشے ہے جلوہ گل ذوق تماشا غالب
 شمار سحر مرغوب بت مشکل پسند آیا
 فیض بے دلی نو میدی جاوید آساں ہے
 ہوائے سیر گل آئینہ بے مہری قاتل
 جراحت تحفہ الماس ارغوان داغ جگر بدیدہ
 نہ ہو گا یک بیابان ندگی سے ذوق کم میرا
 محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے
 سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی
 بقدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی

مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا وا ہو جانا
 اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا
 باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا
 ہو گیا گوشت سے ناخن کا جُدا ہو جانا
 روتے روتے غم فرقت میں فنا ہو جانا
 کیوں ہے گردِ روہ جولان صبا ہو جانا
 دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا ہو جانا
 چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا
 تماشا بے بیک کف بردن جد دل پسند آیا
 کشائش کو ہمارا عتدہ مشکل پسند آیا
 کہ اندازِ بخون عن لطیفہ نسل پسند آیا
 مبارکبادِ سد غمخوار جان درو مند آیا
 جاب موجبِ زقار ہے نقش قدم میرا
 کہ موجِ بے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا
 عبادت برق کی کرتا ہوں در افسوس حاصل کا
 جو تو دریائے مے ہے تو میں خیارہ ہوں ساحل کا

ب

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب
پوچھ مت وجہ سیہ مستی ارباب چمن
جو ہوا غرقہ مے بخت رسا رکھتا ہے
ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر
چار موج اٹھتی ہے طوفان طرب سے ہر سو
جس قدر روح نباتی ہے جگر تشنہ ناز
بسکہ دوڑے ہے رگ تاک میں خوں ہو ہو کر
موج گل سے چراغاں ہے گزر گاہ خیال
نشہ کے پردے میں ہے محو تماشاے دماغ
ایک عالم پہ ہیں طوفانی کیفیت فیصل
شرح ہنگامہ ہستی ہے زہے موسم گل
ہوش اڑتے ہیں مرے جلوہ گل دیکھ

دے بڑے کو دل و دست شناموج شراب
سایہ تاک میں ہوتی ہے ہواموج شراب
سر سے گزرے پہی ہے بال ہواموج شراب
موج ہستی کو کرے فیض ہواموج شراب
موج گل موج شفق موج صبا موج شراب
دے ہے تسکیں بزم آب بقا موج شراب
شہر رنگ سے ہے بال کشا موج شراب
ہے تصور میں زبس جلوہ ناموج شراب
بسکہ کھتی ہے سر نشو و نما موج شراب
موجہ سبزہ نوخیز سے تا موج شراب
رہبر قطرہ بہ دریا ہے خوشا موج شراب
پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب

ت

افسوس کہ دیداں کا کیا رزق فلک نے
کافی ہے نشانی تری پھلے کا نہ دینا

جن لوگوں کی تھی درخوہ عقد گہر انگشت
خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت

لکھتا ہوں سد سوزشِ دل سے سخن گرم
 رہاگر کوئی تا قیامت سلامت
 جگر کو مرے عشقِ خوں ناپہ مشرب
 علی الزعم دشمنِ شہید وفاہوں
 نہیں گر سرو برگِ ادراکِ معنی
 مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب
 آمدِ خط سے ہوا ہے سرد جو بازارِ دوست
 اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
 خانہ ویراں سازیِ حیرت تماشا کیجئے
 عشق میں بیدار شکِ غیر نے مارا مجھے
 چشمِ مارو شن کہ اُس بیدرد کا دل شاد ہے
 غیر میں کرتا ہے میری پرش اُس کے ہجر میں
 تاکہ میں جانوں کہ ہے اُس کی رسائی واں تلمک
 جبکہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہِ ضعفِ دماغ
 چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
 مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجئے
 یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آئی ہے آپ

تارک نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت
 پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت
 لکھتے ہے خداوندِ نعمت سلامت
 مبارک مبارک سلامت سلامت
 تماشا ئے نیرنگِ صورت سلامت
 یار لائے بری بالیں پہ اُسے پر کس وقت
 دُودِ شمع کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست
 کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست
 صورتِ نقشِ قدم ہوں رفتہ رفتارِ دوست
 کشتہ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست
 دینِ پرخوں ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست
 بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوارِ دوست
 مجھ کو دیتا ہے پیامِ وعدہ دیدارِ دوست
 سر کرے ہے وہ حدیثِ زلفِ عنبر بارِ دوست
 ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخیِ گفتارِ دوست
 یا بیاں کیجئے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست
 ہے روینِ شعر میں غالب زبس تکرارِ دوست



ج

قمری کا طوق حلقہ بیرون در ہے آج
تارِ نفس کس شکارِ اثر ہے آج
سیلابِ گریہ در پے دیوار و در ہے آج
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

گلشن میں بند و بست بزمِ دگر ہے آن
آتا ہے ایک پارہٴ دل ہر فنا کے ساتھ
لے عافیت کنارہ کراے انتظارِ سام چل
لو ہم مریضِ عشق کے تیمار دار ہیں

ج

اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ
برنگِ خار مرے آئینہ سے جو ہر کھینچ
کیا ہے کس نے اشارہ کرنا زبستِ کھینچ
بکوریِ دل و چشمِ رقیب ساغر کھینچ
نیامِ پردہٴ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ
بروئے سفرہ کبابِ دلِ سمندر کھینچ

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ
کمالِ گرمی سعیِ تلاشِ دید نہ پوچھ
تجھے بہانہٴ راحت ہے انتظارِ لے دل
تری طرف ہے بہ حسرتِ نظارہٴ زنگس
بنیم غمزہ ادا کر حق و دیعتِ ناز
مرے قلع میں ہے صبا ئے آتشِ پنہاں

د

بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد
ہوئی معذرتِ ذلی اندازِ وادائے میرے بعد
شعلہٴ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

حُسنِ غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
منصبِ شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
شمعِ بجبتی ہے تو اُس میں سے دھواں اٹھتا ہے



غم ہستی کا اسد کس کے ہو غمِ مرگ علاج
شرح ہر رنگ میں ملتی ہے سحر ہونے تک

خوں ہے دل خاک میں احوالِ تباں پر یعنی
در خورِ عرض نہیں جو ہر سببِ ادا کو جا
ہے جنوں اہل جنوں کے لیے آنکوش و دواع
کون ہوتا ہے حریفِ مے مردِ افکنِ عشق
غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
آئے ہے بیکسی عشق پہ رونا غالب

اُن کے ناخن ہوئے محتاجِ خا میرے بعد
نگہِ ناز ہے سرمہ سے خفا میرے بعد
چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد
ہے نگر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد
کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد
کس کے گھر جائیگا سیلابِ بلا میرے بعد

بلا سے ہیں جو یہ پیشِ نظرِ در و دیوار
و فوراً شک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ
نہیں ہے سایہ کہ سن کر نویدِ مقدمِ یار
ہوئی ہے کس قدر ارزانی مے جلوہ
جو ہے تجھے سر سوداے انتظار تو آ
ہجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے
وہ آ رہا مرے ہمسایہ میں تو سائے سے
نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی
نہ پوچھ بخود عیشِ مقدمِ سیلاب
نہ کہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانے میں
گھر جب بنا لیا ترے در پر کہے بغیر

نگاہِ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار
کہ ہو گئے مرے دیوار و در در و دیوار
گئے ہیں چند قدمِ بیشتر در و دیوار
کہ مست ہے ترے کوچہ میں ہر در و دیوار
کہ ہیں دکانِ مستِ غنچہِ نظر در و دیوار
کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار
ہوئے فدا در و دیوار پر در و دیوار
ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار
کہ ناچتے ہیں پڑے سر بسر در و دیوار
حریفِ رازِ محبت مگر در و دیوار
جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر

کہتے ہیں جب ہی نہ مجھے طاقتِ سخن
 کام اُس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں
 جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے وگر نہ ہم
 چھوڑو گلا میں اُس ست کافر کا پوجنا
 مقصد ہے ناز و غمزہ و لے گفتگو میں کام
 ہر چند ہوشا ہر دے حق کی گفتگو
 بہرا ہوں میں تو چاہیے دونا ہوا التفات
 غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض
 کیوں جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر
 آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے
 کیا آبروئے عشق جہاں عام ہو جہاں
 آتا ہے میرے قتل کو پر جوش رشک سے
 ثابت ہوا ہے گردن مینا پہ خونِ سلق
 و احسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
 یک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
 زُتار باندہ سبھہ صد داندہ توڑ ڈال
 ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
 کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں مرے
 گر نی تھی ہم پہ برقِ تجسلی نہ طور پر

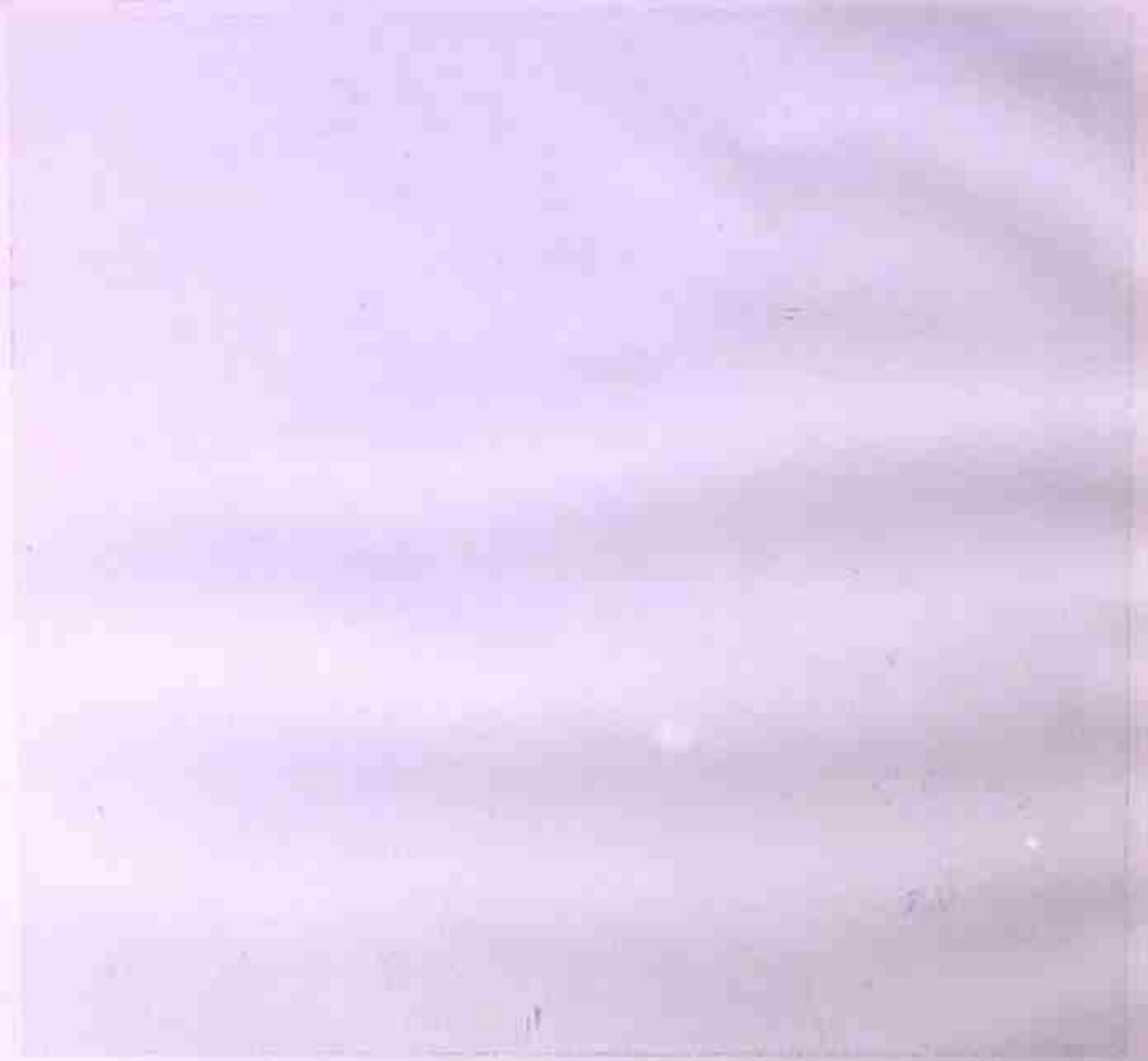
جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کے بغیر
 یوے نہ کوئی نام ستمگر کے بغیر
 سر جاتے یا رہے نہ رہیں پر کے بغیر
 چھوڑے نہ خلق کو مجھے کافر کے بغیر
 چلتا نہیں ہے دشمنہ و خنجر کے بغیر
 بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کے بغیر
 سنتا نہیں ہوں بات مکر کے بغیر
 ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کے بغیر
 جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر
 سرگرم نالہائے شرر بار دیکھ کر
 رکتا ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر
 مرتا ہوں اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر
 لرزے ہے موجِ مے تری رفتار دیکھ کر
 ہم کو حسیں لذت آزار دیکھ کر
 لیکن عیسار طبعِ حسریہ دار دیکھ کر
 رہو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر
 جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر
 طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر
 دیتے ہیں بادہ ظرمت قبحِ خوار دیکھ کر

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا
 لرزتا ہے مراد دل زحمت مہر درخشاں پر
 نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
 فنا تعلیم درس بخودی ہوں اُس زمانے سے
 فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے
 نہیں اقلیم الفت میں کوئی طومارِ نازِ اہسا
 مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ یاد آیا
 بحرِ پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا
 نہ زنا صبح سے غالب کیا ہو اگر اُس نے شدت کی
 ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشائے میں نشاں اور
 یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
 ابرو سے ہے کیا اُس نگہ ناز کو پیوند
 تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اٹھیں گے
 ہر چند بُکست ہوئے بُست شکنی میں
 ہے خونِ جگرِ جوش میں دل کھول کے روتا
 مڑتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے
 لوگوں کو بے خورشیدِ جہاں تاب کا دھوکا
 لیتا نہ اگر دل تمہیں دیتا کوئی دمِ حسین
 پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے

یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر
 میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خارِ بیاباں پر
 سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر
 کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر
 بہم گر صلح کرتے پارِ مائے دلِ نسکداں پر
 کہ پشتِ چشم جس کی نہ ہووے مہرِ عنوان پر
 کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر
 قیامت اک ہوائے تند ہے خاکِ شہیداں پر
 ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر
 کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گھماں اور
 دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور
 ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کہاں اور
 لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور
 ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگِ گراں اور
 ہوتے جو کئی دیدہ خونِ سناہ فشاں اور
 جلاد کو لیکن وہ کسے جائیں کہ ناں اور
 ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغِ نہاں اور
 کرتا (جو نہ مڑتا) کوئی دن آہ و فغاں اور
 رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
 صفائے حیرت آئینہ ہے سامانِ رنگِ آخر
 نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیرِ وحشت کی
 جنوں کی دست گیری کس سے ہو کر ہو نہ عریانی
 برنگِ کاغذِ آتش زدہ نیرنگِ بے تابلی
 فلک سے ہم کو عیشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
 ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے
 فنا کو سوپ کر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
 اسدِ بسل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
 ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خواہاں تجھ پہ عاشق ہیں
 لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور
 مٹ جائے گا سر گر ترا پتھر نہ لکھسے گا
 آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
 جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
 ہاں اے فلکِ پیرِ جواں تھا ابھی عارف
 تم ماہِ شبِ چار دہم تھے مرے گھر کے
 تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے
 مجھ سے تمہیں نفرت سی تیرے سے لڑائی
 گزری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور
 تغیرِ آبِ برجاماندہ کا پاتا ہے رنگِ آخر
 ہوا جامِ زمرہ بھی مجھے داغِ پلنگِ آخر
 گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر
 ہزار آئینہ دل باندھے ہے بالِ یکِ تمپیدن پر
 متاعِ بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرضِ رہزن پر
 شعاعِ مہر سے تمتِ نگہ کی چشمِ روزن پر
 فروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوفِ گلخن پر
 تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالمِ میری گردن پر
 تکلفِ برطرف مل جائیگا تجھ سا رقیبِ آخر
 تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور
 ہوں در پہ ترے ناھیہ فرسا کوئی دن اور
 مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور
 کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور
 کیا تیسرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور
 پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشِ کوئی دن اور
 کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
 بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور
 کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور



ہے جہاں فکر کشیدن ہائے نقش زوئے یار
ماہتاب بالہ سپید اگر وہ تصویر ہے



ناداں ہیں جو کہتے ہیں کہ کیوں جیتے ہو غالب

قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

ز

فارغ مجھے نہ جان کہ مانسہ صبح و مہر
ہے نازِ مغلّساں زراز دستِ رفتہ پر
میخانہ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں
حریفِ مطلب مشکل نہیں فسونِ نیاز
نہو بہ ہرزہ سیا باں نور و وہم وجود
وصالِ جلوہ تماشا ہے پردماغ کہاں
ہر ایک ذرہ عاشق ہے آفتاب پرست
نہ پوچھ وسعت میخانہ جنوں غالب
وسعتِ سعی کرم دیکھ کہ سرتاسر خاک
یک قلم کاغذِ آتش زدہ ہے صفحہ دشت
کیونکر اس محبت سے رکھوں جان عزیز
دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے
تاب لاتے ہی بنے گی غالب
نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردہ ساز
تو اور آرائشِ حشم کا کل
لاف تمکینِ سرب سادہ دلی

ہے داغِ عشق زینتِ جیب و کفن ہنوز
ہوں گلِ فروزش شوخیِ داغِ کہن ہنوز
خمیازہ کھینچے ہے بتِ بیداد فن ہنوز
دعا قبول ہو یا رب کہ عمرِ خضر دراز
ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیبِ فراز
کہ دستِ سجّے آئینہ انتظار کو پرداز
گئی نہ خاک ہوئے پر ہوئے جلوہ ناز
جہاں بہ کاسہ گردوں ہے ایک خاک انداز
گزرے ہے آبلہ پا ابرِ گمسر بار ہنوز
نقشِ پامیں ہے تپ گرمیِ رنقار ہنوز
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز
ہے ترے تیسرے کا پیکان عزیز
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز
میں اور اندیشہاے دور و دراز
ہم ہیں اور رازِ مائے سینہ گداز

ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد
وہ بھی دن ہو کہ اُسِ ستار سے
نہیں دل میں مرے وہ قطرہِ خوں
اے ترا جلوہ یک قلمِ انگیز
تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو
مجھ کو پوچھتا تو کچھ غضب نہ ہوا
اسد اللہ خاں متام ہوا
ورنہ باقی ہے طاقت پر واز
ناز کھینچوں بجائے حسرتِ ناز
جس سے مرگیاں ہوئی نہ ہو گلزار
اے ترا قلمِ سرسبز انداز
ریزشِ سحرِ حبیبِ حسین نیاز
میں غریب اور تو غریب نواز
اے دریا وہ رندِ شاہد باز

س

مرثوہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے
جگرِ تشنہ آزارِ تلی نہ ہوا
منہ گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے
میں بھی رُک رُک کے نہ مرنے جو زباں کے بدلے
دہن شیر میں جا بیٹھئے لیکن اے دل
دیکھ کر تجھ کو چمن بسکہ نمو کرتا ہے
مر گیا پھوڑ کے سرِ غالب وحشی ہے
دامِ خالی نفسِ مرغِ گرفتار کے پاس
جوئے خوں ہم نے بہائی بن ہر خار کے پاس
خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس
دشمنہ اک تیز سا بوتامرے غنوار کے پاس
نہ کھڑے ہو جئے خوبانِ دل آزار کے پاس
خود بخود پہنچے بے گل گوشہِ دستار کے پاس
میٹھنا اُس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

ش

نہ لہو سے گر خنس جو ہر طراوتِ بہرہ خط سے
لگا دے خانہ آئینہ میں روئے نگارِ آتش

فروغ حسن سے ہوتی ہے جلّ مشکل عاشق نہ نکلے شمع کے پاس سے نکالے اگر ذخائر اش

ع

جادو رہ خور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع
ریخ نگار سے ہے سوزِ جساودانی شمع
زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگ خاموشی
کرے ہے صرف یہ ایماے شعلہ قصّہ تمام
غم اُس کو حسرتِ پروانہ کا ہے اے شعلہ
ترے خیال سے روحِ اہتر از کرتی ہے
نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ
جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو
چرخِ واکرتا ہے ماہِ نو سے آغوشِ داغ
ہوئی ہے آتشِ گلِ آبِ زندگانی شمع
یہ بات بزم میں روکش ہوئی زبانی شمع
بطرِ زاہلِ فنا ہے فناءِ خوانی شمع
ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع
بحلوہ ریزی باد و برفِ شانی شمع
شگفتگی ہے شہیدِ گلِ حسرتِ زانی شمع
نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانی شمع

ف

بیمِ رقیب سے نہیں کرتے وداعِ ہوش
جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے
مجبوریاں تلک ہوئے اے اختیارِ حیف
اے ناتمامیِ نفسِ شعلہ بار حیف

ک

زخمِ پرچہ پڑکیں کہاں طفلانِ بے پروا نمک
گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ جسمِ دل
کیا مزہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک
ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک

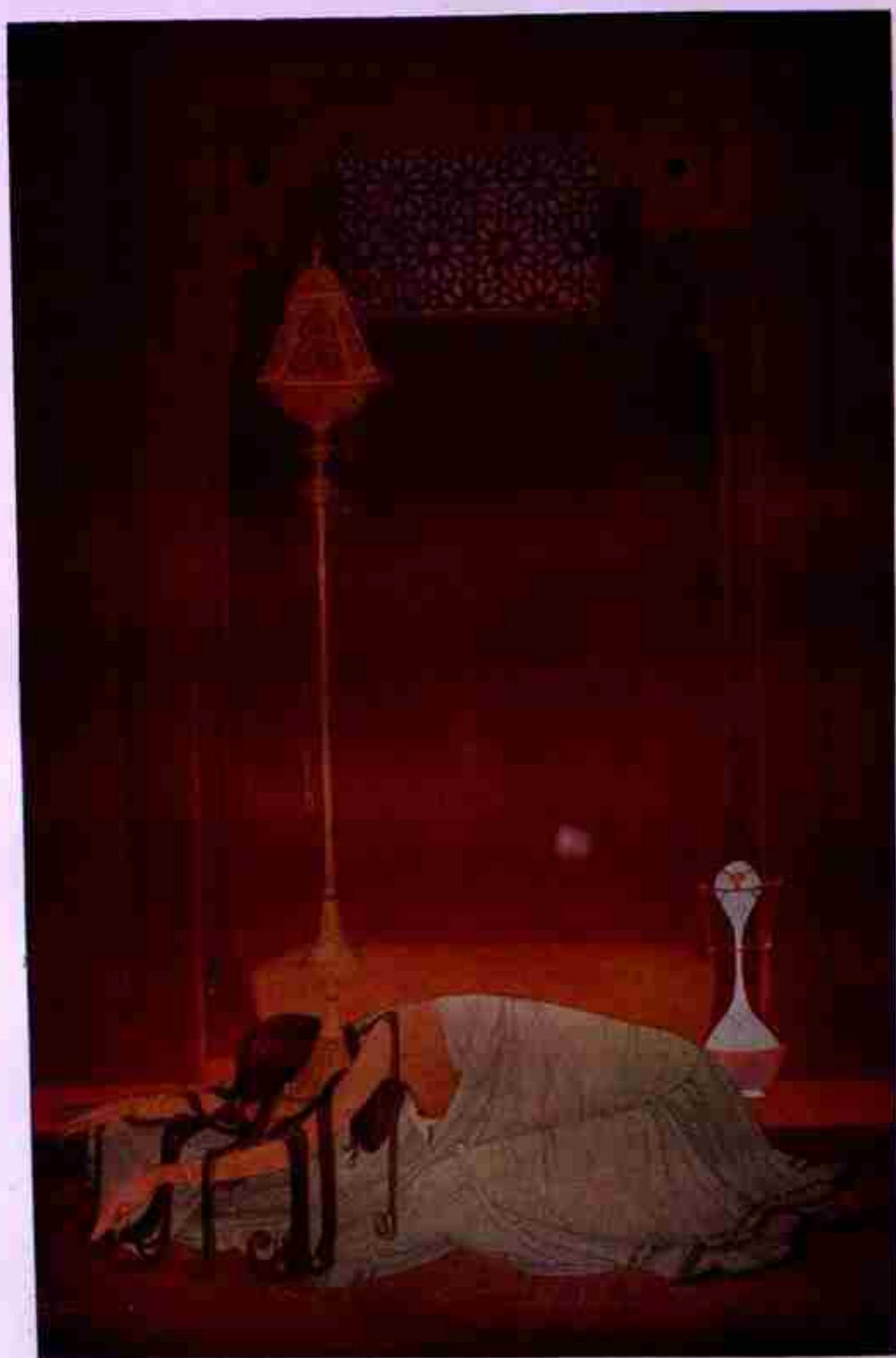
مجھ کو ارزانی رہے تجھ کو مبارک ہو جیو
 شورجولاں تھا کنارِ بحر پر کس کا کہ آج
 داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی واہ واہ
 چھوڑ کر جانا تین مجروح عاشق حیف ہے
 غیر کی منت نہ کھینچو نگاہ پے تو فیہ درد
 یاد ہیں غالب تجھے وہ دن کہ وجہِ فراق ہیں
 آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک
 دامِ ہر سوج میں ہے حلقہٴ صد کامِ نہنگ
 عاشقی صبرِ طلب اور تمننا بیتاب
 ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
 پر تو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تسلیم
 یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل
 غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگِ علاج

نالہ بلبل کا درد اور خندہ گل کا نمک
 گردِ ساحل ہے بزمِ مومِ جودِ یا نمک
 یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جانک
 دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگیں میں عضا نمک
 زخمِ مثلِ خندہ قاتل ہے سرتاپا نمک
 زخم سے گرتا تو میں ملکوں سے چٹا تھا نمک
 کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک
 دیکھیں کیا گزرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک
 دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک
 خاک ہو جاؤں گے ہم تم کو خیر ہونے تک
 میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک
 گرمی بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک
 شمع ہر رنگ میں جلتی ہے حسر ہونے تک

گ

ہے تجھ کو گر یقینِ اجابت دعا نہ مانگ
 آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمسارِ یاد
 یعنی بغیرِ یک دل بے مدعا نہ مانگ
 مجھ سے مرے گنہ کا حساب اخذ نہ مانگ





دراغ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمعِ ارگونی ہے سو وہ بھی ہوش ہے

ل

ہے کس قدر ہلاک فریب و فائے گل
آزادی نسیم مبارک کہ ہر طرف
جو تھا سو موج رنگ کے دھوکے میں مر گیا
خوش حال اُس حریف سیر مست کا کہ جو
ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لینے بہار
شرمندہ رکھتے ہیں مجھے باد بہار سے
سلطوت سے تیرے جلوہ حسن غیور کی
تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک
غالب مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو

بلبل کے کار و بار پہ میں خندہ مانے گل
ٹوٹے پڑے ہیں حلقہ و اہم ہوائے گل
اے وائے نالہ لب خونیں نوائے گل
رکھتا ہو شل سایہ گل سر پائے گل
میرا رقیب ہے نفسِ عطر سائے گل
مینائے بے شراب دل بے ہوائے گل
خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادائے گل
بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل
جس کا خیال ہے گل جیب قبائے گل

م

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو پیش از یک نفس
مخفلیں برہم کرے ہے۔ گنجفہ باز خیال
با وجود یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں
ضعف سے ہے فتنہ قناعت سے تیرکِ جستجو
دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تنائیں اس
بہ نالہ حاصلِ دل بستگی نسیم کر

برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
میں ورق گردانی نیرنگ یک بُت خانہ ہم
میں سپرِ اغانِ شبتانِ دل پروانہ ہم
میں وبالِ تکیہ گاہِ ہمستِ مردانہ ہم
جانتے ہیں سینہ پُر خوں کو زنداں خانہ ہم
متلع خانہ زنجیر جز صد معلوم

رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم
رکھ لیجو میرے دعویٰ و استیگی کی شرم

مجھ کو دیا بغیر میں مارا دھن سے دور
وہ حلقہ ہائے زلف کہیں میں ہیں اسے خدا

ن

غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں
وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں
ذوقِ نظرِ سارہ جمال کہاں
شورِ سودا نے خط و خال کہاں
اب وہ عنائی خیال کہاں
دل میں طاقتِ جگر میں حال کہاں
واں جو جاویں گرہ میں مال کہاں
میں کہاں اور یہ وبال کہاں
وہ عناصر میں اعتدال کہاں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں
جوئے و نغمہ کو اندوہ رہا کہتے ہیں
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں
قبلے کو اہلِ نظرِ قبلہ نما کہتے ہیں
خارِ رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہیں

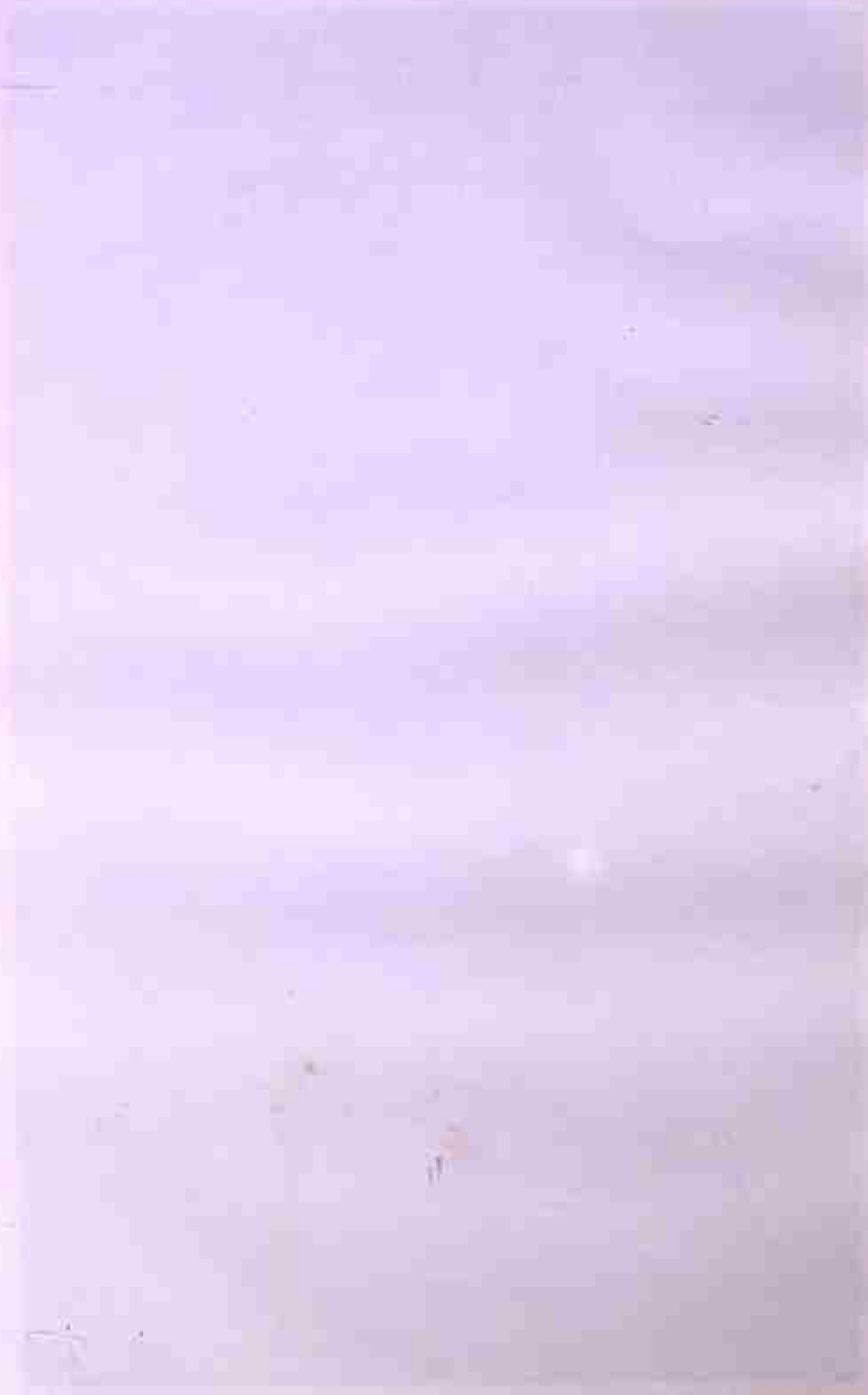
لوں امِ نجاتِ خفتہ سے یک خوابِ خوش ملے
وہ فراق اور وہ صصال کہاں
فرصتِ کار و بار شوقِ رکے
دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا
تھی وہ اک شخص کے تصور سے
ایسا آسان نہیں ہو رونا
ہم سے چھوٹا قمار خانا عشق
فکر و دنیا میں کھپاتا ہوں
مضمحل ہو گئے قوے غالب
کی وفا ہم سے تو غیر اُس کو جفا کہتے ہیں
آج ہم اپنی پریشانی خاطر ان سے
اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ! نہیں کچھ نہ کہو
دل میں آجانے ہے ہوتی ہے جو فرصت سے
ہے پرے سرحد اور اک سے اپنا مسجود
پائے افکار پہ جب سے تجھے حسم آیا ہے

اک شرر دل میں ہے اس سے کوئی گھبرایا گیا
 دیکھنے لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ
 وحشت و شیفۃ اب مرثیہ کہیوں شاید
 آبرو کیا خاک اس گل کی جو گلشن میں نہیں
 ضعف سے لے کر یہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں
 ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہ آفتاب
 کیا کہوں تاریکی زندانِ غم اندھیر ہے
 رونقِ بستی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے
 زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
 بسکہ ہیں ہم اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے
 قطرہ قطرہ اک ہیولی ہے نئے ناسور کا
 لے گئی ساقی کی نخوت مستلزمِ آشامی مری
 ہوشِ ارضِ ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود
 تھی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو غربتِ فقر
 عہدے سے مرجِ ناز کے باہر نہ آسکا
 حلقے میں چٹھائے کشادہ ہوئے دل
 میں اور صد ہزار نوائے جسگر خراش
 ظالم مرے گماں سے مجھے منفعیل نہ چاہ
 مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت

آگِ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں
 اس کی ہر بات پہ ہم نامِ خدا کہتے ہیں
 مر گیا غالب آشفۃ نوا کہتے ہیں
 ہے گریباںِ تنگ پیرا ہن جو دامن میں نہیں
 رنگ ہو کر اڑ گیا جو خوں کہ دامن میں نہیں
 ذرے اس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں
 پنبہ نورِ صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں
 انجمن بے شمع ہے گر برقِ خرمن میں نہیں
 غیر سمجھا ہے کہ لذتِ زخمِ سوزن میں نہیں
 جلوہ گل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں
 خوں بھی ذوقِ درد سے فارغ مرے تن میں نہیں
 موج مے کی آج رگِ مینا کی گردن میں نہیں
 قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مے تن میں نہیں
 بے تکلف ہوں وہ مشیتِ خس کہ گلخن میں نہیں
 گر اک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہوں
 ہر تارِ زلف کو نگہِ سرِ سیا کہوں
 تو اور ایک وہ شنیدن کہ کیا کہوں
 ہے ہے خدا نہ کردہ تجھے بیوفا کہوں
 میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

ضعف میں طبع اغیار کا شکوہ کیا ہے
 زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ
 ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرتی ایک دن
 غرہ اوج بنائے عالم امکان نہ ہو
 قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہاں
 نغمہائے غم کو بھی اسے دل غنیمت جانیے
 دھول دھپتا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
 ہم پر جفا سے ترک وفا کا گماں نہیں
 کس منہ سے شکر کیجیے اس لطفِ خاص کا
 ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز
 بوسہ نہیں نہ دیجیے دشنام ہی سہی
 ہر چند جانگدازی قہر و عتاب ہے
 جاں مطرب ترا نہ بل من مزید ہے
 خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم
 ہے ننگِ سینہ دل اگر آتش کشہ نہ ہو
 نقصان نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب
 کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سر نوشت میں
 پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی
 جاں ہے بہائے بوسہ کے کیوں کہے ابھی

بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں
 کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں
 ورنہ ہم چھڑینگے رکھ کر عذرتی ایک دن
 اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن
 رنگ لائنگی ہماری فاقہ مستی ایک دن
 بے صدا ہو جائیگا یہ ساز ہستی ایک دن
 ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیشدستی ایک دن
 اک چھیرا ہے ورنہ مراد امتحاں نہیں
 پرسش ہے اور پائے سخن وریاں نہیں
 نامہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں
 آخر زباں تو رکھتے ہو تم گردماں نہیں
 ہر چند پشت گرمی تاب و توان نہیں
 لب پر زدہ سنج زمزمہ الاماں نہیں
 دل میں چھری چبھو مژہ گر خوشچکاں نہیں
 ہے عارِ دل نفس اگر آذر فشاں نہیں
 سو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں
 گویا جہیں پہ سجدہ بت کا نشاں نہیں
 روح القدس اگر چہ مرا ہم سزاں نہیں
 غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیجاں نہیں



دیکھو آئے مکانِ خلیفہ پاک
کہ زمین گئی سہ سزاوار
اسکو کہتے ہیں عالمِ آرائی
روکشِ سطحِ صیغِ مینائی



مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
 شوق اُردشت میں ڈوٹا ہے مجھ کو کہ جہاں
 حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے
 رنج نو میدی جاوید گوارا رہو
 سر کھجاتا ہے جہاں زخم سرا چھا ہو جائے
 جب کرم رخصت بیباکی و گستاخی دے
 غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
 مت مردک دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں
 برشکال گریہ عاشق ہے دیکھا چاہیے
 اُلفت گل سے غلط ہے دعویٰ و استغلی
 عشق تاثیر سے نو مید نہیں
 سلطنت دست بدست آئی ہے
 ہے تجلی تری سامان وجود
 راز معشوق نہ رسوا ہو جائے
 گردش رنگ طرب کے ڈر ہے
 کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
 جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
 دل ہر شفتگاں خال کنج دہن کے
 ترے سرو قامت سے اک قد آدم

ایک چکر ہے مرے پاؤں میں نجیر نہیں
 جادہ غنیر از نگہ دین تصویر نہیں
 جادہ راہ و فاجز دم شمشیر نہیں
 خوش ہوں گر نالہ زبونی کش تاثیر نہیں
 لذت سنگ باندازہ تفسیر نہیں
 کوئی تقصیر عجز و خجالت تقصیر نہیں
 آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں
 میں جمع سویدائے دل چشم میں آہیں
 کھل گئی مانسہ گل سو جا سے دیوار چمن
 سرو ہے باوصف آزادی گرفتار چمن
 جاں سپاری شجر بید نہیں
 جامے خاتم جمشید نہیں
 ذرہ بے پر تو خورشید نہیں
 در نہ مر جانے میں کچھ بید نہیں
 غم محسوس جاوید نہیں
 ہم کو جینے کی بھی امید نہیں
 خیابان خیاباں ارم دیکھتے ہیں
 سویدائیں عیر عدم دیکھتے ہیں
 قیامت کے فتنہ کو کم دیکھتے ہیں

تماشا کر اے محو آئینہ داری
 سراغِ تفتِ نالہ لے داغِ دل سے
 بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
 بلتی ہے خوئے یار سے نارِ التباب میں
 کب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں
 تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عسمر بھر
 قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
 مجھ تک کب اُن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
 جو منکرِ وفا ہو فریب اُس پہ کیا چلے
 میں مضطرب ہوں وصال میں خوفِ رقیب سے
 میں اور خطِ وصل خدا ساز بات ہے
 ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
 لاکھوں لگاؤ ایک چُرا نا نگاہ کا
 وہ نالہ دل میں خس کی برابر جگہ نہ پائے
 وہ سحرِ مدِ عاطسلی میں نہ کام آئے
 غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
 کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں
 ہیں آج کیوں دلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
 جاں کیوں بھکنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع

تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں
 کہ شبِ رو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
 تماشا شائے اہل کرم دیکھتے ہیں
 کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں
 شبِ نائے ہجر کو بھی رکھوں گہ حساب میں
 آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں
 میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
 ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں
 کیوں بدگماں ہوں دوستِ دشمن کے باب میں
 ڈالا ہے تم کو وہم نے کس ہیچ و تاب میں
 جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
 ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں
 لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں
 جس نالہ سے شکاف پڑے آفتاب میں
 جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں
 پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ مابتاب میں
 یہ سوہن ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں
 گستاخی فرشتہ ہمارے جناب میں
 گر وہ صدا سمانی ہے چنگ و رباب میں

رُو میں ہے خرس عمر کہاں دیکھئے تھے
 اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُد ہے
 اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
 ہے شتمل نمودِ صُور پر وجودِ حُسر
 شرم اک ادا ئے ناز ہے اپنے ہی سے سی
 آرایشِ جال سے فارغ نہیں ہنوز
 ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
 غالب ندیم دوستِ آتی ہے بوئے دوست
 حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جس کو میں
 چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
 جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار
 ہے کیا جو کس کے باندھیئے میری بلا ڈرے
 لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے تنگ و نام ہے
 چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
 خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار
 پھر بخودی میں بھول گیا راہِ کوئے یار
 اپنے پہ کر رہا ہوں قیاسِ اہلِ دہر کا
 غالب حسدِ اکرے کہ سوارِ سمنِ دِراز
 ذکرِ میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں

نے ماتھ باگ پر بے نہ پا ہے رکاب میں
 جتنا کہ وہم غیر سے ہوں پیچ و تاب میں
 حیراں ہوں پھر شاہد ہے کس حساب میں
 یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و جاب میں
 میں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں
 پیشِ نظر ہے آئینہِ دائمِ نقاب میں
 ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں
 مشغول حق ہوں بند گئی بو تراب میں
 مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں
 ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں
 اے کاش جانتا نہ تری جس گزر کو میں
 کیا جانتا نہیں ہوں تھاری کمر کو میں
 یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں
 پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہِ ہسر کو میں
 کیا پوچتا ہوں اس بتِ بیدار کو میں
 جاتا و گرنے ایک دن اپنی خسر کو میں
 سمجھا ہوں دلپذیر متاعِ ہسر کو میں
 دیکھوں علی بہادرِ عالی گھر کو میں
 غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

وعدہ سیر گلستاں ہے خوش طالع شوق
 شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے عالم
 قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
 حسرت اے ذوق خرابی کی وہ طاقت رہی
 میں جو کہتا ہوں کہ ہم لینے قیامت میں تمہیں
 ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو
 صاف دردی کش پیما نہ جم ہیں ہم لوگ
 ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب
 نالہ جز حس طلب اے ستم ایجاد نہیں
 عشق و مزدوری عشرت گہ خسرو کیا خوب
 کم نہیں وہ بھی خرابی میں یہ وسعت علوم
 اہل سبب کو ہے طوفان حوادث مکتب
 وائے محرومی تسلیم و بداحال وفا
 رنگ تمکین گل و لالہ پریشاں کیوں ہے
 سبد گل کے تلے بند کرے بے گلچیں
 نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا
 کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچہ سے بہشت
 کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
 دونو جہان دے کے وہ سمجھے کہ خوش رہا

مرثوہ قتل معتمد رہے جو مذکور نہیں
 لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں
 ہم کو لقتلیدہ تنگ ظرفی منظور نہیں
 عشق پر عسر بدہ کی گوں تن رنجور نہیں
 کس رعوت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں
 تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں
 وائے وہ بادہ کہ افشردہ انگور نہیں
 میرے دعوے پہ یہ نجات ہے کہ مشہور نہیں
 ہے تقاضاے جفا شکوہ بیداد نہیں
 ہم کو تسلیم نکو نامی سر باد نہیں
 دشت میں ہے مجھے و عیش گھر یاد نہیں
 لطمہ موج کم از سیلی استاد نہیں
 جانتا ہے کہ ہمیں طاقت فرما د نہیں
 گر چراغان سر ہر گزیر باد نہیں
 مرثوہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں
 دی ہے جائے دہن اس کو دم ایجاد نہیں
 یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں
 تم کو بے مہری یاران وطن یاد نہیں
 یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں



قطروں میں جلد لکائی نہ ہے اور جزویں گل
کھیل اڑکوں کا ہوا دیسچ پھینا نہ ہوا

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
 کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم
 ہو گئی ہے غیر کی شیریں سیانی کارگر
 قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشت قیس میں آنا
 دل نازک پس کے رحم آتا ہے مجھے غالب
 دل لگا کر لگ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا
 ہیں نوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
 یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں
 وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
 نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو
 ترے جو اسر طرف کلا کو کیا دیکھیں
 نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
 کوئی کہے کہ شب میں کیا بُرائی ہے
 جو آؤں سامنے ان کے تو مرجا نہ کہیں
 کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں
 علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب
 جہاں میں ہو غم و شادی ہم ہیں کیا کام
 تم اُنکے وعدہ کا ذکر ان کیوں کرو غالب
 تیرے تو سن کو صبا باندھتے ہیں

تیرا پست نہ پائیں تو ناچار کیا کریں
 ہو غم ہی جا نگد از تو غم خوار کیا کریں
 عشق کا اس کو گھماں ہم بے زبانوں پر نہیں
 تعجب سے وہ بولایوں بھی ہوتا ہے زمانے میں
 نہ کر سر گرم اس کا فر کو الفت آزمائے میں
 بارے اپنی بکسی کی ہم نے پائی دادیاں
 مہر گردوں ہے چراغ رہگذار بادیاں
 کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں
 کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
 یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں
 ہم اوج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں
 شب فراق سے روز جزا زیاد نہیں
 بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں
 جو جاؤں واں سے کہیں کو تو خیر باد نہیں
 کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں
 گدا ئے کو چہ میخسانہ نامراد نہیں
 دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں
 یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں
 ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے
تیری سرعت کے مقابل اے عمر
قید ہستی سے رہائی معلوم
نشہ رنگ سے ہے واشد گل
غاطی ہائے مضامین مست پوچھ
اہل تدبیر کی واما نگیاں
سادہ پرکار میں خوباں غالب

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل
یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے
حد چاہیئے سزا میں عقوبت کے واسطے
کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لیے
غالب و خلیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں گئیں
یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
تھیں بنائے نقش گرد و دن کو پردے میں نہاں
قید میں معقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر

ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں
برق کو پا چستا باندھتے ہیں
اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں
مست کب بند قبا باندھتے ہیں
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں
ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں

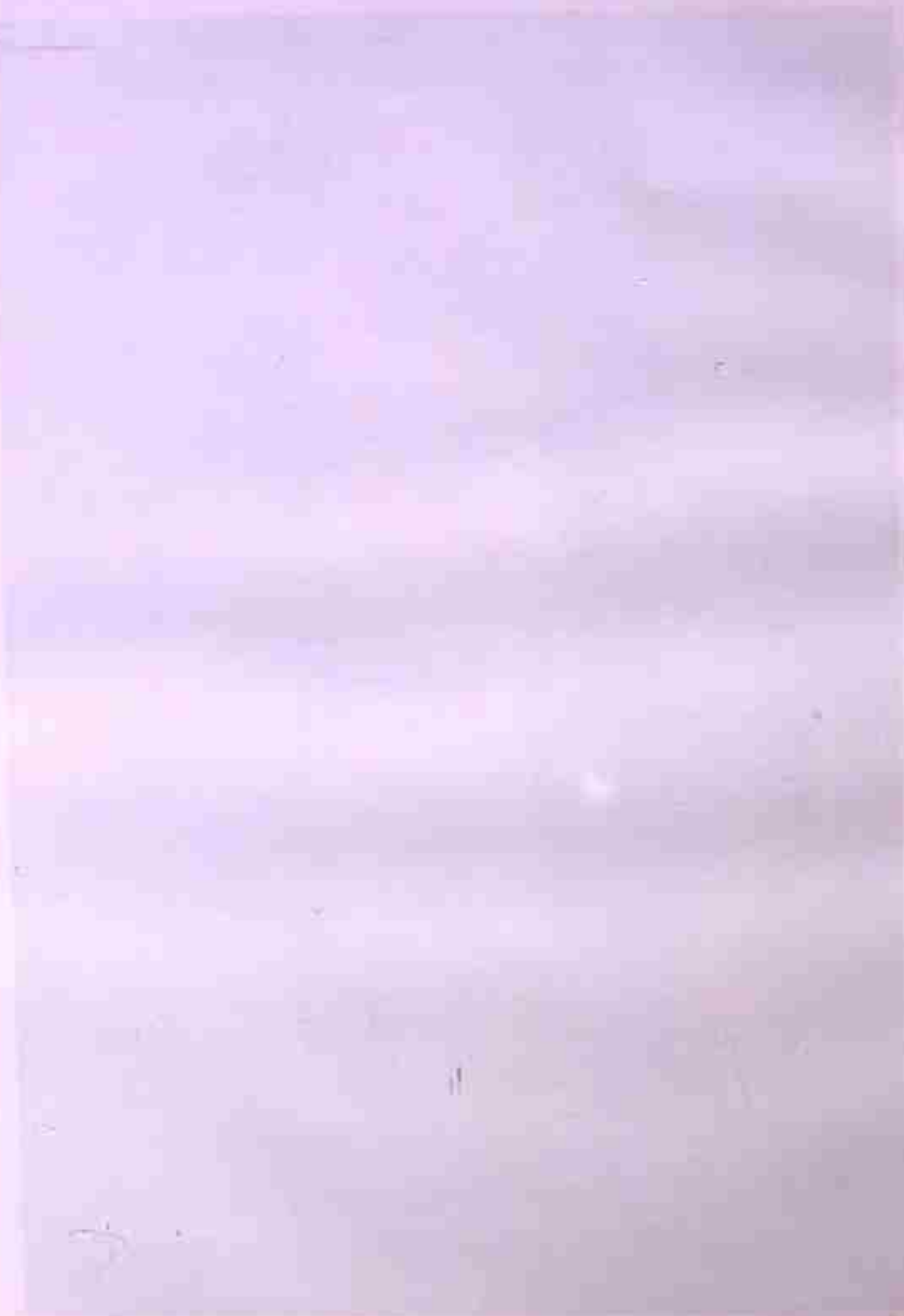
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں
لوح جہاں پہ حرمت مکرر نہیں ہوں میں
آخر گناہگار ہوں کامر نہیں ہوں میں
لعل و زمر و زر و گوہر نہیں ہوں میں
رتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں
شب کو انکے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں
لیکن آنکھیں روزانہ دیوار زنداں ہو گئیں

سب قیہوں سے ہوں ناخوش پر زناں مصر سے
 جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ بے شام فراق
 ان پر زادوں سے لینے غلہ میں ہم انتقام
 نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتیں اسکی میں
 میں چمن میں کیا گیا گویا دبستان کھل گیا
 وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں بار بار کے پار
 بسکہ روکا میں نے اور سینہ میں ابھریں پے پے
 واں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب
 جانفزا ہے باد جس کے ہاتھ میں جام آگیا
 ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
 رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
 یوں ہی گر روتا رہا غالب تو لے اہل جہاں
 دیوانگی سے دوش پہ زناں بھی نہیں
 دل کو نیازِ حسرت دیدار کر چکے
 ملنا تزا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
 بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اوریاں
 شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبالِ دوش
 گنجائشِ عداوت اغیار اک طرف
 ڈرنا لہائے زار سے میرے خدا کو مان

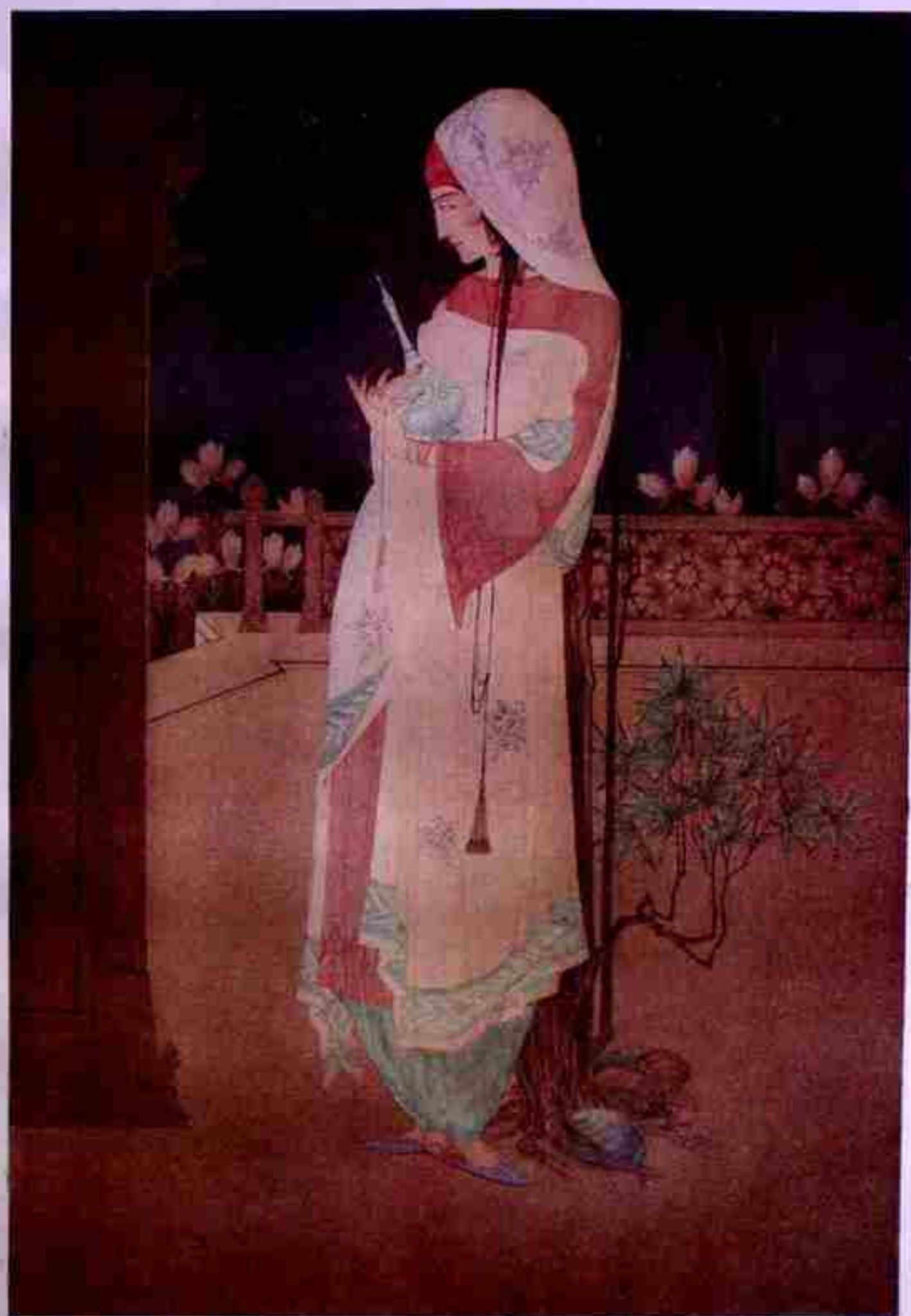
ہے زلیخا خوشش کہ مہو ماہ کسناں ہو گئیں
 میں سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں
 قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں
 تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں
 بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں
 جو مری کوتاہی قسمت سے مڑگاں ہو گئیں
 میری آہیں غمیں چاک گریاں ہو گئیں
 یاد تھیں جتنی دعائیں صرف درباں ہو گئیں
 سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگ جاں ہو گئیں
 بلتیں جب مٹ گئیں اجڑاے ایماں ہو گئیں
 مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں
 دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں
 یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں
 دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
 دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
 طاقت بقدر لذتِ آزار بھی نہیں
 صحرا میں لے خدا کوئی دیوار بھی نہیں
 یاں ل میں ضعف سے ہوس یار بھی نہیں
 آخر نوائے مرغ گرفتار بھی نہیں

دل میں ہے یار کی صفِ مرگاں سے روکشی
 اس سادگی پہ کون نہ مر جائے لے خدا
 دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بار بار
 نہیں ہے زخم کوئی بجھنے کے درخور مے تن میں
 ہوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی
 ودیعت خانہ بیداد کا و شہائے مرگاں ہوں
 بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی
 نکو ہش مانع بے ربطی شورِ جنوں آئی
 ہوئے اُس مہروش کے جلوہ تمثال کے آگے
 نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالفت ہے
 ہزاروں دل دیے جوشِ جنون عشق نے مجھ کو
 اسد زندانی تا شیر الفت ہائے خواہاں ہوں
 مزے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
 مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے
 یہ کن ہشت شامل کی آمد آمد ہے
 بھلا اسے نہ سہی کچھ مجھی کو رسم آتا
 خیالِ جلوہ گل سے خراب ہیں میکیش
 ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ
 ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسد

حالانکہ طاقتِ خلش خار بھی نہیں
 لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
 دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں
 ہوا ہے تارِ اشک یا س رشتہ چشم سوزن میں
 کفِ سیلاب باقی ہے برنگِ پنبہ روزن میں
 نگین نام شاہد ہے مرا ہر قطرہ خوں تن میں
 شبِ مہو جو رکھ دیں پنبہ دیواروں کے وزن میں
 ہوا ہے خندہ اجاب بخیہ جیب و دامن میں
 پرافشاں جو ہر آئینہ میں مثلِ ذرہ روزن میں
 جو گل ہو تو گلشن میں جو سخن ہو تو ہوں گلشن میں
 سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں
 خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں
 سوائے خونِ جگر سو جگر میں خاک نہیں
 وگرنہ تاب تو ان بال و پر میں خاک نہیں
 کہ غیر جلوہ گلِ ہنس گزر میں خاک نہیں
 اثرِ مرے نفس بے اثر میں خاک نہیں
 شراب خانہ کے دیوار و در میں خاک نہیں
 سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں
 کھلا کہ فائدہ عرضِ مسر میں خاک نہیں



حریفِ خوش دریا، نہیں خود داری سالن
جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا



دل ہی تو ہے نہ سنگِ خشت درو بھرنے آئے کیوں
 دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستان نہیں
 جب وہ جمالِ لفسر و صورتِ مہرِ نیروز
 وشنہ غمزہ بانستاں ناوکِ ناز بے پناہ
 قیدِ حیات و بندِ غم۔ اصل میں دونو ایک ہیں
 حُسن اور اسِ حسنِ ظن رہ گئی بولہوس کی شرم
 واں وہ غرورِ عزت و نازیباں یہ حجابِ پاسِ وضع
 ہاں وہ نہیں خدِ پرست جاؤ وہ بے وفا سی
 غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
 غنچہ نازگفتہ کو دور سے مت دکھا کیوں
 پریش طرزِ دلبری کیجیے کیا کہ بن کے
 رات کے وقت مے پیئے ساتھ رقیب کو لیئے
 غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھیے
 بزم میں اُس کے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھیے
 میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہئے غیر سے تھی
 مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح
 کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی منع یاد تھی
 گرتے دل میں جو خیالِ بھل میں شوق کا زوال
 جو یہ کہنے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشکِ فارسی

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہیں ستائے کیوں
 بیٹھے ہیں رکھنڈ پر ہم غیر ہیں اٹھائے کیوں
 آپ ہی ہو نظارہ سوزِ پرے میں نہ چھپانے کیوں
 تیرا ہی عکسِ رخِ سہی سائے تیرے آئے کیوں
 موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پانے کیوں
 اپنے پر اعتماد ہے غیسر کو آزمائے کیوں
 راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں
 جس کو ہو دین و دل عزیز اسکی گلی میں جانے کیوں
 رویے زار زار کیا کیجیے ہائے ہائے کیوں
 بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کیوں
 اُسکے ہر اک اشارے سے نکلے ہے یہ ادا کیوں
 آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کیوں
 سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کیوں
 اسکی تو خاموشی میں بھی ہے یہی مدعا کیوں
 سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کیوں
 دیکھ کے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کیوں
 آئینہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پا کیوں
 موجِ محیطِ آب میں مائے ہفت و پا کیوں
 گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کیوں

حَسَد سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو
 بقدر حسرتِ دل چاہیئے ذوقِ معاصی بھی
 اگر وہ سرد و قد گرم حشر ام ناز آجاوے
 کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں
 طاعت میں تا ہے نہ مے و انگبیس کی لاگ
 ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے
 غالب کچھ اپنی سعی سے لٹا نہیں مجھے
 وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں ہو
 چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگِ اختلاط کا
 ہے مجھ کو تجھ سے تذکرہ غیر کا گلہ
 ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ
 ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
 ہنگامہ زبونی ہمت ہے نفعِ سال
 دارِ سنگی بہانہ بیگانگی نہیں
 مٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی
 اُس فتنہ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں اسد
 قفس میں ہوں گرا چھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو

کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو
 بھروں یک گوشہ دامنِ گر آبِ ہفت دریا ہو
 کھٹ ہر خاکِ گلشنِ شکلِ قمری نالہ فرسا ہو
 بھولا ہوں حقِ صحبتِ اہلِ کنشت کو
 دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو
 ٹیڑھا لگا ہے قضاِ تسلیمِ سرِ نوشت کو
 خرمنِ جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو
 کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں ہو
 ہے دل پہ بارِ ششِ محبت ہی کیوں ہو
 ہر چند بر سبیلِ شکایت ہی کیوں ہو
 اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں ہو
 ہم انجمنِ سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں ہو
 حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں ہو
 اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں ہو
 عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں ہو
 اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں ہو
 مرا ہونا بُرا کیا ہے نواسِ بخانِ گلشن کو

نہیں گر بہمی آساں نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے
 نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اس حراحت پر
 خدا شرانے باغیوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
 ابھی ہم قتل گد کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں
 ہوا چرچا جو میرے پاؤں کی زنجیر منے کا
 خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے
 وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
 شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ جو مجھ کو
 نہ لٹا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
 سخن کیا کہ نہیں سکتے کہ جو یاں ہوں جو اہر کے
 مرے شاہ سیماں جاہ سے نسبت نہیں غالب
 دھوتا ہوں تب میں پیئے کو اس سمیق کے پانو
 دی سادگی سے جان پڑوں کو کہن کے پانو
 بھاگے تھے ہم بہت سو اسی کی سزا ہے یہ
 مرہم کی جستجو میں چسپا ہوں جو دور دور
 اللہ سے ذوق وشت نور دی کہ بعد مرگ
 ہے جوش گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف
 شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں
 غالب مرے کلام میں کیونکر مزہ نہ ہو

نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو
 کیا سینے میں جس نے خوشچکاں مرنگان سوزن کو
 کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو
 نہیں دیکھا شنادر جوئے خوں میں تیرے توسن کو
 کیا بے تاب کاں میں جنبش جو ہرنے آہن کو
 سمجھتا ہوں کہ دھونڈھے بے ابھی سے برق خرم کو
 مرے تجاں میں تو کعبہ ہیں گاڑو برہمن کو
 جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو
 رہا کھٹکانہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہن کو
 جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھو دیں جا کے معدن کو
 فریدون و جم و کینسر و داراب و بہمن کو
 رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانو
 بیہمت کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو
 ہو کر اسیر دابتے ہیں اسرن کے پانو
 تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پانو
 ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پانو
 اڑتے ہوئے ابھتے ہیں مرغ چمن کے پانو
 دکھتے ہیں آج اس بت نازک بدن کے پانو
 پیتا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پانو

وال اس کو بول دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار
 اپنے کو دیکھتا نہیں ذوقِ ستم تو دیکھ
 واں پہنچ کر جو غش آتا پئے ہم ہے ہم کو
 دل کو میں اور مجھے دل محو و فار کھتا ہے
 ضعف سے نقش پئے مور ہے طوق گردن
 جان کر کیجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو
 رشک ہم طرحی و درد اثر بانگِ حزین
 سر اڑانے کے جو وعدے کو مکر چاہا
 دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ و لیکن ناچار
 تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
 لکھنو آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی
 مقطعِ سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شہر
 لینے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب
 تم جاؤ تم کو غیسے جو رسمِ راہ ہو
 بچتے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے
 کیا وہ بھی بیگنہ کش و حق ناشناس ہیں
 ابھرا ہوا نقاب میں ہے اُن کے ایک تار
 جب میکہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
 سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست

یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو
 آئینہ تاکہ دیدہ پنجیسر سے نہ ہو
 صدرہ آہنگِ زمیں بوس قدم ہے ہم کو
 کس قدر ذوقِ گرفتاری ہم ہے ہم کو
 تیرے کو چے کے کہاں قوتِ رم ہے ہم کو
 یہ نگاہِ عنایت انداز تو سم ہے ہم کو
 نالہ مرغِ حشر تیغِ دو دم ہے ہم کو
 ہنس کے بولے کہ تیرے سر کی قسم ہے ہم کو
 پاس بے رونقیِ دینِ اہم ہے ہم کو
 ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو
 ہوسِ سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو
 عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو
 جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو
 مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
 قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو
 مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو
 مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
 مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو
 لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

سازیک ڈرہ نہیں فضا چمن سے بیکار سایہ لالہ بے داغ سویدائے بہار



سازیک دزدہ نہیں فیضِ حین سے بیکار
سایہ لالہ بے داغ سوداے بہار

الب بھی گر نہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
 گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو
 ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال
 ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے
 تمہیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا
 اُبھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
 جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا
 ہمیں پھر اُن سے اُٹھنا اور اُنھیں تیری قدر
 غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا
 بتاؤ اُس مرثہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرار
 مجھے جنوں نہیں غالب دے بقول حضور
 کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو
 وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
 کیا غمخوار نے رُسوا لگے آگ اس محبت کو
 وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
 قفس میں مجھ سے رو داد چمن کہتے نہ ڈر ہدم
 یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ
 غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
 یہ فستہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے

دنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو
 کسے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو
 کہ گر نہ ہو تو کہاں جاؤں ہو تو کیونکر ہو
 حیا ہے اور یہی گو گو تو کیونکر ہو
 بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو
 جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیونکر ہو
 وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو
 ہماری بات ہی پوچھیں نہ دو تو کیونکر ہو
 نہ مانے دین دیدار جو تو کیونکر ہو
 یہ بیش ہو رگِ جاں میں فرد تو کیونکر ہو
 فراق یا میں تسکین ہو تو کیونکر ہو
 نہ ہو جب دل ہی سینہ میں تو پھر منہ میں باں کیوں ہو
 سُبک سربز کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو
 نہ لا دے تاب جو غم کی وہ میرا راز داں کیوں ہو
 تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستان کیوں ہو
 گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیان کیوں ہو
 کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں کے نہاں کیوں ہو
 نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو
 ہوئے تم دوست جسکے دشمن اُس کا آسمان کیوں ہو

عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو
 بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کیوں کہ ہاں کیوں ہو
 ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو
 ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہمزباں کوئی نہ ہو
 کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاساں کوئی نہ ہو
 اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
 کما تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں سوائی
 نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب
 رہتے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
 بے درو دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
 پڑیے گریہ مار تو کوئی نہ ہو تیار دار

۵

طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ
 جس کی بہاریہ ہو پھر اس کی خزان پوچھ
 دشواری رہ و ستم ہنس رہاں پوچھ

از مہر تابہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ
 ہے بسزہ زار ہر درو دیوار غم سکند
 ناچار بیکسی کی بھی حسرت اٹھائیے

۷

طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے
 یعنی ہنوز منتِ طغیان اٹھائیے
 اے خانماں خراب احساں اٹھائیے
 یا پردہ تبسم نہ پاں اٹھائیے
 بھون پاس آنکھ بستہ حاجات چاہیے
 آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

صد جلوہ روبرو ہے جو مرگیاں اٹھائیے
 بے سنگ پر براتِ معاش جنون عشق
 دیوار بار منتِ مزدور سے ہے خم
 یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجیے
 مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے
 عاشق بولے ہیں آپ بھی اک در شخص پر

سیکھیں میں رُخوں کے لیے ہم مصوری
مے سے غرض نشاط ہے کس رُوسیا کو
ہے رنگِ لالہ و گلِ نسریں بُدا جدا
سر پائے خم پہ چاہیے ہنگامِ جینودی
یعنی چسبِ گردش پیمائِ صفات
نشوونما ہے اصل سے غالبِ فروغ کو

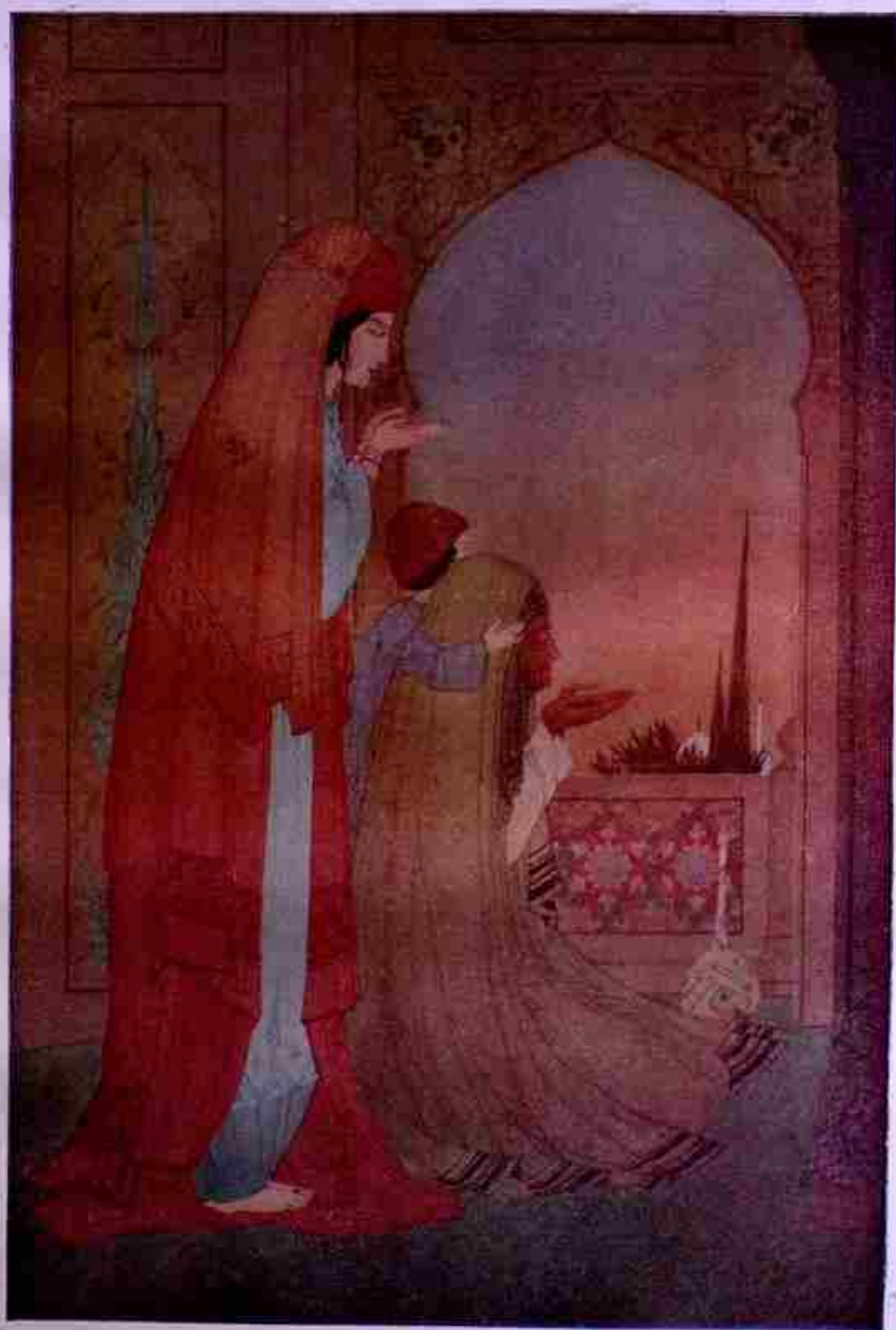
بساطِ عجز میں تھا ایک ل یک قطرہ خوں وہ بھی
بے اس شوخ سے آرزو ہم چندے تکلف سے
خیالِ مرگ کب تسکینِ دلِ آرزو کو بخشے
نہ کرتا کاشنِ نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہم
نہ اتنا بزشش تیغِ جفا پر نازِ منسراؤ
مے عشرت کی خواہش ساقیِ گردوں کیا کیجھے
مے دل میں ہے غالبِ شوقِ صل و شکوہ ہجران
ہے بزمِ مہتاں میں سخنِ آرزو لبوں سے
ہے دورِ مستح و جہ پریشانی صہبا
رندانِ درمیکدہ گستاخ ہیں ناہد
بیدادِ وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر
تہا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
غالبِ تراحوال سنا دینگے ہم اُن کو

تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے
اک گو نہ جینودی مجھے دن ات چاہیے
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے
رُوسوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہیے
عارف ہمیشہ مستِ مے ذات چاہیے
خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے
سو رہتا ہے باندازِ چکیدنِ سرنگوں وہ بھی
مکلفِ برطرف تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی
مرے دامِ تمنائیں ہے اک صیدِ زبوں وہ بھی
کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی
مے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی
لیئے بیٹھا ہے اک دوچار جامِ واژگوں وہ بھی
خداوہ دن کرے جو اُس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی
تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامدِ طلبوں سے
یک بار لگا دو خمِ مے میرے لبوں سے
زنہار نہ ہونا طرفِ ان بے ادبوں سے
ہر چند مری جان کو تھا ربطِ لبوں سے
سن لیتے ہیں گو ذکرِ ہمارا نہیں کرتے
وہ سن کے بلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا
 غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
 کھلے گا کس طرح مضمون مرے مکتوب کا یارب
 لپٹنا پر نیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے
 انھیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
 ہماری سادگی تھی التفات ناز پر مرنا
 لکھ کو بے حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی
 کہوں کیا خوبی اوضاع ابنائے زماں غالب
 حاصل سے ماتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی
 اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے
 کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہان ہے
 ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
 حالانکہ ہے یہ سیلی خارا سے لالہ رنگ
 کی اُس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا
 کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
 بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوار یار میں
 ہستی کا اعتبار بھی عزم نے مٹا دیا
 ہے بارے اعتماد و وفاداری اس قدر
 درد سے میرے ہے تجھ کو بیقراری مٹے مٹے

وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر سو ہے
 فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی
 قسم کھانی ہے اُس کا فرنے کاغذ کے جلانے کی
 ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوزِ غم چھپانے کی
 اُٹھے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی
 ترا آنا تھا ظالم مگر تمہید جانے کی
 مری طاقت کہ ضامن تھی تبوں کے ناز اٹھانے کی
 بدی کی اُس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی
 دل جوش گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی
 میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغِ ناتمامی
 جس میں کہ ایک جھیلے مور آسمان ہے
 پرتو سے آفتاب کے ذرہ میں جان ہے
 غافل کو میرے شیشہ پر مے کا گمان ہے
 آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے
 پس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے
 فرمانروائے کشورِ ہندوستان ہے
 کس سے کہوں کہ دلغ جگر کا نشان ہے
 غالب ہم اس میں خوش ہیں نامہ زبان ہے
 کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری مٹے مٹے

ہاں میرے نوٹیں ہم اہں کا نام
جس کو تو جھکے کر رہا ہے سلام



تیرے دل میں گزرتھا آشوبِ نسیم کا جھل
 کیوں مری غمخوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال
 عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا
 زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوا ہے زندگی
 گل فشانی ماے نازِ جسد کو کیا ہو گیا
 شرمِ رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں
 خاک میں ناموسِ پیمانِ محبت مل گئے
 ماتھے ہی تیغِ آزما کا کام سے جاتا رہا
 کس طرح کاٹے کوئی شبِ ماے تارِ بربکال
 گوشِ مجبورِ پیام و چشمِ محسوسِ جمال
 عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی دشتِ کارنگ
 گشتِ گلی میں عالمِ ہستی سے پاس ہے
 لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر
 کیجے بیاں سرورِ تپِ غم کہاں تلمک
 ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانہ وفا
 پی جس قدر ملے شبِ مہتاب میں شراب
 ہر اک مکان کو بے یکس سے شرفِ اسد
 گر خامشی سے فائدہ اٹھائے حال ہے
 کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ

تو نے پھر کیوں کی تھی میری نگہ ساری ٹٹے ہائے
 دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ٹٹے ہائے
 عمر کو بھی تو نہیں بے پائنداری ٹٹے ہائے
 یعنی تجھ سے تھی اُسے ناسازگاری ٹٹے ہائے
 خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ٹٹے ہائے
 ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ٹٹے ہائے
 اٹھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری ٹٹے ہائے
 دل پہ اک لگنے نہ پایا زخمِ کاری ٹٹے ہائے
 ہے نظرِ خو کر دہِ خستِ شمارِ ی ٹٹے ہائے
 ایک دلِ تس پر یہ نا امیدواری ٹٹے ہائے
 رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ٹٹے ہائے
 تسکیں کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے
 اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے
 ہر مومے بدن پہ زبانِ سپاس ہے
 ہر چند اُس کے پاس دلِ حق شناس ہے
 اس لغبی مزاج کو گرمی ہی راس ہے
 مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگلِ اداس ہے
 خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے
 دلِ فردِ جمع و سپرِ زباں ٹٹے لال ہے

کس پوچھے میں ہے آئینہ پر دازے خدا
 ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی
 مشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جان
 وحشت پہ میری عرصہ آفاق تنگ تھا
 ہستی کے مت فریب میں آجائو اسد
 تم اپنے شکوے کی باتیں نکھو دکھو کے پوچھو
 دلا یہ درد و الم بھی تو مغتتم ہے کہ آخر
 ایک جا حرف وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا
 جی جلے ذوق فنا کی ناتنامی پر نہ کیوں
 آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا
 ہے وہی بدستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ
 مجھ سے مت کہ تو ہیں کتنا تھا اپنی زندگی
 آنکھ کی تصویر سزا مے پہ کھینچی ہے کہ تا
 پیمنس میں گزرتے ہیں جو کوچے سے وہ میسے
 مری ہستی فضائے حیرت آباد تمنا ہے
 خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو
 وفائے دلبران ہے اتفاقی در نہ لے ہم
 نہ لائے شوخی اندیشہ تا بس بچ نومیدی
 رحم کر ظالم کہ کیا ہو چسراغ کشتیہ

رحمت کہ عذر خواہ لب بے سوال ہے
 اے شوق منغل یہ تجھے کیا خیال ہے
 ناف زمین ہے نہ کہ ناف غزال ہے
 دریا زمین کو عسرقی نفع سال ہے
 عالم تمام حلقہ دام خیال ہے
 عذر کرو مے دل سے کہ اس میں آگ دلی ہے
 نہ گریہ حسری ہے نہ آہ نیم شبی ہے
 ظاہر کا غدر ترے خط کا غلط بردار ہے
 ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتش بار ہے
 ہر کوئی در ماندگی میں نال سے ناچار ہے
 جس کے جلوے سے زمین آسمان سرشار ہے
 زندگی سے بھی مراجی ان دنوں بیزار ہے
 تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرت دیدار ہے
 کندھا بھی کہا روں کو بدلنے نہیں دیتے
 جسے کہتے ہیں نال وہ اسی عالم کا عتقا ہے
 وہی ہم میں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے
 اثر فریاد و لہا ہے حزیں کا کس نے دیکھا ہے
 کھٹ افسوس ملنا عید تجبید تمنا ہے
 نبض بیمار و فادہ و چسراغ کشتیہ

دل لگی کی آرزو نہ چھین کھتی ہے جیس
 چشمِ خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے
 پسِ کمرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے
 دستِ نگاہِ دیدہ خوبسارِ مجنوں دیکھنا
 عشقِ مجھ کو نہیں حشت ہی سہی
 قتل کیجئے نہ تعلق ہم سے
 میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی
 ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
 اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
 عمرِ برچند کہ ہے برقِ خرام
 ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں
 کچھ تو دے اے فلکِ انصاف
 ہم بھی تسلیم کی خُوڈ الیں گے
 یار سے چھیر چلی جائے اسد
 ہے آرمیدگی میں نکو ہش بجائے مجھے
 ڈھونڈھے ہے اس مٹتی آتشِ نفس کو جی
 متناہ طے کروں ہوں ردِ وادی خیال
 کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے جابیاں
 کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

درندیاں بے رفتی سو چسپ کر گشتِ شب
 سُرمد تو کہوے کہ دو دشمنِ آواز ہے
 نالہ گویا گر و ششِ سیارہ کی آواز ہے
 یک بیاباں جلاوڈ گلِ فرشِ پالندہ ہے
 میری وحشت تیری شہرت ہی سہی
 کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
 اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی
 غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی
 آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی
 دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی
 نہ سہی عشقِ مصیبت ہی سہی
 آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی
 بے نیازی تری عادت ہی سہی
 گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی
 صبحِ وطن ہے خندہ ونداں نما مجھے
 جس کی صدا ہو جلاوڈ برقِ فنا مجھے
 تا باز گشت سے نہ رہے مدعا مجھے
 آنے لگی ہے نکمست گل سے جیا مجھے
 شعروں کے انتخاب نے رُسا کیا مجھے

زندگی اپنی جیساں شکل سے گزری غالب
 اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی جیا کیئے
 دل ہی تو ہے سیاست درباں سے فرگیا
 رکھتا پھرون میں خرقہ و سجادہ رہن مے
 بے صرفہ ہی گزرتی ہے ہو گرچہ عمر خضر
 مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اُنہم
 کس روز تمہیں نہ تراشا کیے عدو
 صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو
 ضد کی ہے اور بات مگر خو بُری نہیں
 غالب تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا
 رقتا عسر قطع رہ اضطراب ہے
 میناے مے ہے سرو نشاط بہار سے
 زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا
 جاداد بادہ نوشی رنداں ہے شش جہت
 نظارہ کیا حریف ہو اُس برق حسن کا
 میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں
 گزرا اُس دستِ چینام یار سے
 دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر رشک آجائے ہے
 ماتھ و حودل سے یہی گرمی گرا ندیشے میں ہے

ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے
 بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیئے
 میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کیئے
 مدت ہوئی ہے دعوتِ آبِ ہوا کیئے
 حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیئے
 تو نے وہ گنج ہائے گرا نمایہ کیا کیئے
 کس دن ہمارے سر پہ نہ آئے چلا کیئے
 دیئے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیئے
 بھولے سے اُس نئے یکڑوں وعدے وفا کیئے
 مانا کہ تم کہا کیئے اور وہ سنا کیئے
 اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے
 بالِ تدرو حلوہ موجِ شرا ہے
 تے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے
 غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے
 جوش بہار جلوے کو جس کے نقاب ہے
 مانا کہ تیرے رج سے نگہ کامیاب ہے
 قاصدِ مچھک کو رشکِ ہواں و جواب ہے
 میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے
 آگینہ تندہی صبا سے پگھلا جائے ہے

نفسِ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ



غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے
 شوق کو یہ لت کہ ہمدردی نہالہ کھینچے جائے
 دُور چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ
 گرچہ ہے طرزِ تغافل پر وہ دایرِ رازِ عشق
 اُس کی بزمِ آرائیاں سن کر دلِ رنجوریاں
 ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
 نقش کو اُس کے مصوّر پر بھی کیا کیا ناز میں
 سایہ میرا مجھ سے مثل دُور بھاگے ہے
 گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے
 نیسہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم
 کثرتِ آرائی وحدت ہے پرستارِ ہی
 ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکانہ رہا
 کارِ گاہِ ہستی میں لالہ داغِ ساماں ہے
 غنچہ تا شاغفتن با برگِ عافیت معلوم
 ہم سے رنجِ بیتابی کس طرح اٹھایا جائے
 اُگ رہا ہے درو دیوار سے بسوزِ غالب
 سادگی پر اُس کی مرجانے کی حسرتِ دل میں ہے
 دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
 گرچہ ہے کس کس بُرائی سے ولے با این ہمہ

گر حیا بھی اُس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے
 دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے
 نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے
 پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے
 مثل نقشِ مدعا سے غیسر بیٹھا جائے ہے
 رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے
 کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھینچتا جائے ہے
 پاس مجھ آتشِ بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے
 تب امانِ جہر میں دی برو لیا لی نے مجھے
 لے لیا مجھ سے مری ہمتِ عالی نے مجھے
 کر دیا کافرانِ اصنامِ خیالی نے مجھے
 عجب آرام دیا ہے پرو بالی نے مجھے
 برقِ خمزنِ راحت خونِ گرم دہقاں ہے
 باوجودِ کھمبے خوابِ گل پریشاں ہے
 داغِ پشتِ دستِ عجزِ شعلہِ حسنِ منہاں ہے
 ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے
 بس نہیں چلتا کہ پھر خنجرِ کعبِ قاتل میں ہے
 میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
 ذکرِ میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے

بس مجھ کو نا اُمید سی خاک میں مل جائیگی
 رنج رہ کیوں کھینچئے واما ندگی کو عشق ہے
 جلوہ زارِ آتش دوزخ ہمارا دل سہی
 ہے دل شوریدہ غالب طلسم چچ و تاب
 دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی
 شوق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذت فراغ
 وہ بادۂ شبانہ کی سرستیاں کہاں
 اڑتی پھرے ہے خاک مری کوے یار میں
 دیکھو تو دُعا ریبی اندازِ نقشِ پیا
 ہر بولہوس نے حسن پرستی شہسار کی
 نفلے نے بھی کام کیا و ان نقاب کا
 فردا دمی کا تفسر قہ کیا مٹ گیا
 مارا زمانہ نے اسد اللہ خان تھیں
 تسکین کو ہم نہ رو میں جو ذوق نظر ملے
 اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل
 ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم
 تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم
 تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا
 لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں

یہ جو اک لذت ہماری سہی بے حاصل میں ہے
 اُنٹھ نہیں سکتا ہمارا جوت دم منزل میں ہے
 فتنہ شورِ قیامت کس کی آب و گل میں ہے
 رحم کرا اپنی متنا پر کہ کس شکل میں ہے
 دو نو کو اک ادا میں رضا مند کر گئی
 تکلیف پر وہ داری جسم جگر گئی
 اُٹھیے بس اب کہ لذتِ خواب سحر گئی
 بلے اب لے ہوا ہوس بال و پر گئی
 موجِ حسرام یار بھی کیا گل کتر گئی
 اب آبرو کے شیوہ اہل نظر گئی
 مستی سے ہر نگہ تھے رخ پر بکھر گئی
 کل تم گئے کہ ہم یہ قیامت گزر گئی
 وہ دلو لے کہاں وہ جوانی کدھر گئی
 حورانِ خلد میں تری صورت مگر ملے
 میسے پتہ سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے
 ہر شب پیاہی کرتے ہیں مے جرقہ رلے
 میرا سلام کیو اگر نامہ بر ملے
 فرصت کشاکشِ غم پنہاں سے گر ملے
 مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

اے ساکنانِ کوچہ دلدار دیکھنا
 کوئی دن گر زندگانی اور ہے
 آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کس سال
 بار بار دیکھی ہیں اُن کی بخششیں
 دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر
 قاطعِ اعمار ہیں اکشر نجوم
 ہو چکیں غالبِ بلائیں سب تمام
 کوئی اُمیدِ برہنہ نہیں آتی
 موت کا ایک دن معین ہے
 آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
 جانتا ہوں ثوابِ طاعتِ زہد
 ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
 کیوں نہ چنوں کہ یاد کرتے ہیں
 داغِ دل گر نظر نہیں آتا
 ہم وہاں میں جہاں سے ہم کو بھی
 مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
 کہ جس منہ سے جاؤ گے غالب
 دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
 ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار

تم کو کہیں جو غالبِ آشفۃ سر ملے
 اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
 سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے
 پر کچھ اب کے سرگرائی اور ہے
 کچھ تو پسیں سامِ زبانی اور ہے
 وہ بلائے آسمانی اور ہے
 ایک مرگِ ناگمانی اور ہے
 کوئی صورتِ نظر نہیں آتی
 نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
 اب کسی بات پر نہیں آتی
 طبیعتِ اوسر نہیں آتی
 ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
 میسری آواز گر نہیں آتی
 بُو بھی اے چارہ گر نہیں آتی
 کچھ ہماری خبر نہیں آتی
 موت آتی ہے پر نہیں آتی
 شرمِ مست کو مگر نہیں آتی
 آخر اس درد کی دوا کیا ہے
 یا الہی یہ ماجرا کیا ہے

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
 جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
 یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
 شکن زلفِ عنبریں کیوں ہے
 سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
 ہم کو ان سے وفا کی بے امید
 ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا
 جان تم پر نثار کرتا ہوں
 میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
 کہتے تو ہو تم سب کہ بتِ عالیہ مٹو آئے
 ہوں کشمکشِ نزع میں ہاں جذبِ محبت
 ہے صاعقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم
 ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
 جلاؤ سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھکڑتے
 ہاں اہل طلب کون سے طعنہ نایافت
 اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
 کی ہم نفسوں نے اثرِ گریہ میں تقصیر
 اُس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے غالب
 پھر کچھ اک دل کو بیکار ہی ہے

کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے
 پھر یہ ہنگامہ اسے خدا کیا ہے
 سبزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
 بنگہ چشمِ سرمہ سا کیا ہے
 ابر کیا چیسز ہے ہوا کیا ہے
 جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
 اور درویش کی صدا کیا ہے
 میں نہیں جانتا دعا کیا ہے
 مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے
 یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ دو آئے
 کچھ کہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے
 آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں گو آئے
 ہاں منہ سے مگر بادہ ووشینہ کی بو آئے
 ہم سمجھے ہوئے ہیں اُسے جن بھیس میں جو آئے
 دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے
 اُس درپہ نہیں بار تو کہے ہی کو ہو آئے
 اچھے رہے آپاں سے مگر مجھ کو ڈبو آئے
 ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے
 سینہ جو یا نے زخمِ کاری ہے

ساتی بچہ دہشت گردانہ ایسا آگاہی
مطرب نغمہ رہزن تمکین دہوش ہے



پھر جگر کھودنے لگا ناخن
 قبلہ مقصد نگاہ نیاز
 چشم دلال حبس رسوائی
 وہی صد رنگ نالہ فرسائی
 دل ہوا بے خرام ناز سے پھر
 جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے
 پھر اسی بے وفا پر مرتے ہیں
 پھر کھلا ہے درِ عدالت ناز
 ہو رہا ہے جہان میں اندھیر
 پھر دیا پارہ جگر نے سوال
 پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب
 دل و مرثکاں کا جو مقدمہ تھا
 بیخودی بے سبب نہیں غالب
 جنوں تہمت کش تسکیں نہ ہو گشت دمانی کی
 کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعی آزادی
 پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہِ طفلان ہے
 نکو ہش ہے سزا فریادی بیداد و لبر کی
 رگِ لیلیٰ کو خاکِ دشتِ مجنوں ریشگی بخشے
 پر پروانہ شاید بادبانِ کشتی سے تھا

آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے
 پھر وہی پردہ عساری ہے
 دلِ سریدارِ ذوقِ خواری ہے
 وہی صد گونہ اشکباری ہے
 محشرستانِ بیقراری ہے
 روزِ بازارِ جاں سپاری ہے
 پھر وہی زندگی ہمساری ہے
 گرم بازارِ فوجداری ہے
 زلفت کی پھر سرشتہ داری ہے
 ایک منہ دو آہ و زاری ہے
 اشکباری کا حکم جاری ہے
 آج پھر اس کی رو بکاری ہے
 کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے
 نمک پاشِ خراشِ دل ہے لذتِ زندگانی کی
 ہوئی زنجیرِ موجِ آب کو فرصتِ روانی کی
 شرارِ سنگ نے تربت پر میری گلِ فشان کی
 مبادا خندہ دندانِ ناہو سجِ محشر کی
 اگر بودے بجائے دانہ دہقانِ نوکِ نشتر کی
 ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی

کروں بیدار ذوقِ پرفشانی عرض کیا قدرت
 کہاں تک روؤں اسکے خیمے کے پیچھے قیامت
 بے اعتدالیوں سے سبک میں ہم ہوئے
 پہناں تھا دامِ سخت قریبِ شبیان کے
 ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
 سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر
 تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں
 لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خوں چکاپ
 اللہ رمی تیری تندہی خو جسکے یم سے
 اہل ہوس کی فتح ہے ترکِ نبردِ عشق
 نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے
 چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی میں دل لگی
 جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی
 مجھے اُس سے کیا توقع بزمانہ جوانی
 یونہیں دکھ کسی کو دینا نہیں خوب ورنہ کہتا
 ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
 نے مژدہ وصال نہ نظارہ جمال
 مے نے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب
 گوہر کو عیشِ گردنِ خواباں میں دیکھنا

کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہر کی
 مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوارِ پتھر کی
 جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے
 اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
 یاں تک سٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے
 وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے
 تیرے ہوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے
 ہر چند اس میں ماتھ ہمارے قلم ہوئے
 اجزائے نالہ دل میں مے رزق ہم ہوئے
 جو پاؤں اٹھ گئے وہی اُن کے علم ہوئے
 جو واں کھینچ سکے سو وہیاں آکے دم ہوئے
 سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے
 تو فسر دگی نہاں ہے بہ کین بے زبانی
 کبھی کودکی میں جس نے زنی مری کہانی
 کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی
 اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خوش ہے
 مدت ہوئی کہ آستنی چشم و گوش ہے
 اے شوق یاں اجازتِ تسلیم ہوش ہے
 کیا ادج پرستارہ گوہر فروش ہے

دیدار بادہ۔ محو ساقی نگاہ مست
 اے تازہ وارِ دِل بساطِ ہوا ہے دل
 دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو
 ساقی بجاوہ دشمنِ ایمانِ آگہی
 یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط
 لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدا ہے چنگ
 یا صبح دم جو دیکھیے آکر تو بزم میں
 داغِ فسراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
 آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
 نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
 خارِ المِ حسرت دیدار تو ہے
 مے پرستانِ خمِ مے منہ سے لگائے ہی بنے
 نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرا
 ایک ہنگامے پر موقوف ہے گھر کی دلق
 نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
 عشرتِ صحبتِ خوباں ہی غنیمت سمجھو
 عجب نشاط سے جلاؤ کے چلے ہیں ہم آگے
 قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت
 غمِ زمانہ نے جھاڑی نشاطِ عشق کی مستی

بزمِ خیال میں کدۂ بے خروش ہے
 زہار اگر تمہیں ہو پس ناسے و نوش ہے
 میری سنو جو گوشِ نصیحتِ نیوش ہے
 مطربِ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے
 دامنِ باغبان و کھٹ گلِ فروش ہے
 یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے
 نے وہ سرور و سور نہ جوشِ فروش ہے
 اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے
 غالب صریرِ خامہ نوا سے فروش ہے
 امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی
 شوقِ گلچینِ گلستانِ تسلی نہ سہی
 ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساقی نہ سہی
 گر نہیں شمعِ سیہ خانہ و لیلی نہ سہی
 نوۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی
 گر نہیں ہیں مے اشعار میں معنی نہ سہی
 نہ ہوئی غالب اگر عمرِ طبعی نہ سہی
 کہ اپنے سائے سے سراپاؤں سے ہے دو قدم آگے
 فقط "خراب" لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے
 و گر نہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے

خدا کے واسطے داد اس جنون شوق کی دینا
 یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے
 دل و جگر میں پرافشاں جو ایک موجبِ خون ہے
 قسم جنازے پہ آنے کی میسے کھاتے ہیں غالب
 شکوے کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے
 پڑھوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا
 گو سمجھتا نہیں پر حسنِ تلافی دیکھو
 عشق کی راہ میں ہے چرخِ مکو کب کی مچال
 کیوں نہ ٹھہریں ہدفِ ناوکِ بیداد کہ ہم
 خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ
 نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
 خامہ میسرا کہ وہ ہے بارِ بزمِ سخن
 اے شہنشاہِ کواکب سپہ و مہرِ علم
 سات اقلیم کا حاصل جو نہرا ہم کیجے
 ہر مینے میں جو یہ بندر سے ہوتا ہے ہلال
 میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزل خوانی میں
 رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
 ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
 نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا

کہ اُس کے در پہ پہنچتے ہیں نامِ بر سے ہم آگے
 تھا سائے آئینوں لے طرہ ماٹے خم بہ خم آگے
 ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے
 ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے
 یہ بھی مست کہ کہ جو کیسے تو گلا ہوتا ہے
 اک ذرا چھیر نے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے
 شکوہ جو رے سرگرم جفا ہوتا ہے
 سُست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے
 آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے
 کہ بھلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے
 لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے
 شاہ کی مع میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے
 تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے
 تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے
 آستان پر ترے مہ نامیہ سا ہوتا ہے
 یہ بھی تیرا ہی کرم ذوقِ مسرا ہوتا ہے
 آج کچھ در و مرے دل میں سوا ہوتا ہے
 تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے
 کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تشدد کو کیا ہے



جب بہ تقریبِ نغریار نے محلِ باندھا
پیشِ شوق نے ہر ذرے پاکِ دل باندھا

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
 چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیرا ہن
 جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
 رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
 وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز
 پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دوچار
 رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی
 ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اثراتا
 میں انھیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں
 قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
 میری قسمت میں غم گرا نسا تھا
 آبی جاتا وہ راہ پر غالب
 آکر مری جان کو مسترار نہیں ہے
 دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے
 گریہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو
 ہم سے عبث ہے گمان بخش خاطر
 دل سے اٹھا لطف جلوہ ہائے معانی
 قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے
 تو نے قسم کے کشی کی کھائی ہے غالب

وگرنہ خوف بد آموزی عدو کیا ہے
 ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے
 کریدتے ہو جواب راکھ جستجو کیا ہے
 جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے
 سوائے بادۂ گفام شکو کیا ہے
 پیشینہ وقوع و کوزہ و سبو کیا ہے
 تو کس امید پہ کیے کہ آرزو کیا ہے
 وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے
 چل نکلتے جو مے پیئے ہوتے
 کاشکے تم مرے لینے ہوتے
 دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے
 کوئی دن اور بھی جیئے ہوتے
 طاقت بیداد انتظار نہیں ہے
 نشہ بہ اندازہ خسار نہیں ہے
 ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے
 خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے
 غیر گل آئینہ ہزار نہیں ہے
 دوائے اگر عہد استوار نہیں ہے
 تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

بجوہ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے
 رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی
 وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
 پایہ دامن ہو رہا ہوں بسکہ میں سرانورد
 دیکھنا حالت مے دل کی ہم آغوشی کے وقت
 ہوں سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ پوچھ
 جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے
 سائے کی طرح ساتھ پھریں ستر و صنوبر
 تب ناز گراں مانگی اشک بجائے
 دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر
 اُس چشم فسوں گر کا اگر پائے اشارہ
 کانٹوں کی زباں ہو گئی پیاس سے یارب
 مرجاؤں نہ کیوں شک سے جب وہ تن نازک
 غارتگر ناموسخ ہو کر ہو س زر
 تب چاک گریباں کا مرہ ہے دل نالاں
 آتشکدہ ہے سینہ مرا راز نہاں سے
 گنجینہ معنی کا طلسم اُس کو سمجھے
 حُسن مہ گرچہ بہ ہنگام کمال اچھا ہے
 بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ

کہ تار دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے
 سمجھیومت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے
 چمکنا غنچہ دل کا صدائے خندہ دل ہے
 خارِ پاہیں جو ہر آئینہ زانو مجھے
 ہے نگاہ آشنا تیرا سر ہر مو مجھے
 ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں چھپڑے تو مجھے
 جاں کا لبد صورت دیوار میں آوے
 تو اس قدر دلکش سے جو گلزار میں آوے
 جب لخت جگر دیدہ خونبار میں آوے
 کچھ تجھ کو مرہ بھی مرے آزار میں آوے
 طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے
 اک آبدہ پا وادی پرچسار میں آوے
 آغوشِ خم سلفہ زار میں آوے
 کیونشا ہر گل باغ سے بازار میں آوے
 جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار میں آوے
 لے دئے اگر معرضِ ظہار میں آوے
 جو لفظ کہ غالب مے اشعار میں آوے
 اُس سے میرا مرہ خورشید جمال اچھا ہے
 جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
 بے طلب دیں تو مرزا اس میں سوا ملتا ہے
 اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
 دیکھئے پاتے ہیں عشاق تبوں سے کیا فیض
 ہم سخن تیشے نے فرما د کو شیریں سے کیا
 قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
 خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سب سبز
 ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
 غیر لیں محفل میں بوسے جام کے
 خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ
 خطا لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
 رات پی زمرم پے اور صبح دم
 دل کو آنکھوں نے پھنسا یا کیا مگر
 شاہ کے ہے غسلِ صحت کی خبر
 عشق نے غالب نکمتا کر دیا
 پھر اس انداز سے بہار آئی
 دیکھو اے ساکنانِ خطہ خاک
 کہ زمیں ہو گئی ہے ستر ماہر
 سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی

ساغرِ جسم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے
 وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے
 وہ سمجھتے ہیں کہ بمیسا رک کا حال اچھا ہے
 اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
 جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے
 کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مال اچھا ہے
 شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہ سال اچھا ہے
 دل کے خوش رکھنے کو غالب خیال اچھا ہے
 ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے
 ہتھکانڈے ہیں سپرِ خنیلِ فام کے
 ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
 دھوئے دھتے جامہٴ حرام کے
 یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے
 دیکھئے کب دن پھریں حمام کے
 ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے
 کہ ہوئے مہر و مہ تماشا شانی
 اس کو کہتے ہیں عالمِ آرائی
 روکشِ سطحِ سپرِ مینائی
 بن گیا روئے آب پر کائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے
 ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
 کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
 تغافل دوست ہوں میرا دماغ عجز عالی ہے
 رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے
 کب وہ سنتا ہے کہانی میری
 خلش غمزنہ خوں یزید پوچھ
 کیا بیاں کر کے مرا روئینگے یار
 ہوں زخود رفتہ بیدائے خیال
 مقابل ہے معتابل میرا
 قدر سنگ سر رہ رکھتا ہوں
 گرد بادِ روئے تابی ہوں
 دہن اُس کا جو نہ معلوم ہوا
 کر دیا ضعف نے عاجز غالب
 نقش نازِ بیت طناز بہ آغوشِ قیب
 تو وہ بد خو کہ تحیر کو تماشا جانے
 وہ تپ عشق تمنا ہے کہ پھر صورتِ شمع
 گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے
 واں کنگر استغنا ہر دم ہے بلندی پر

چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی
 بادہ نوشی ہے بادِ پیمائی
 شاہِ دیندار نے شفا پائی
 اگر پہلو تھی کیجئے تو جامِ میری بھی خالی ہے
 بھرے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے
 اور پھر وہ بھی زبانی میری
 دیکھ خونِ سببِ فشانِ میری
 مگر آشفۃ بیانی میری
 بھول جانا ہے نشانی میری
 رک گیا دیکھ روانی میری
 سخت ارزاں ہے گرانی میری
 صرصر شوق ہے بانی میری
 کھل گئی بیچمدانی میری
 ننگِ پیری ہے جوانی میری
 پائے طاؤس پئے خامہ مانی مانگے
 غم وہ افسانہ کہ آشفۃ بیانی مانگے
 شعلہ تابنض جگر ریشہ دوانی مانگے
 ہر غنچے کا گل ہونا آغوشِ کشائی ہے
 یاں نالے کو اور الٹا دعوائے رسائی ہے

شمع بجتی ہے تو ایسے دھواں اُٹھتا ہے
شعلہ عشق سیر پوش ہوا میرے بعد



از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے
 جس زخم کی ہو سکتی ہو تہہ بیر فرو کی
 اچھا ہے سر انگشت حنائی کا تصور
 کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے وصلگی سے
 دشمن نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو
 صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب
 سیما بپشت گرمی آئینہ دے ہے ہم
 آغوش گل کشودہ برائے وداع ہے
 بے وصل جبر عالم مستکین ضبط میں
 انس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ بھی تو ہاں
 چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے
 صحبت رنداں سے واجبے حذر
 چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل
 چاک مت کر جیب بے ایام گل
 دوستی کا پردہ ہے بیگانگی
 دشمنی نے میری کھویا غیر کو
 اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی
 منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
 غافل ان مہ طلعتوں کے واسطے

جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے
 لکھ دیجیو یا رب اسے قسمت میں عذوب کی
 دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی
 یاں تو کوئی سنتا نہیں منہ ریا د کو کی
 خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلوگی
 حسرت میں رہے ایک بُتِ عسربہ جو کی
 حیراں کیے ہوئے ہیں دل بے قرار کے
 اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے
 معشوق شوق و عاشق دیوانہ چاہیے
 شوق فضول و جراتِ رندانہ چاہیے
 یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے
 جائے مے اپنے کو کھینچا چاہیے
 بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے
 کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیے
 منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے
 کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے
 یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے
 ناامیدی اُس کی دیکھا چاہیے
 چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

چاہتے ہیں خبر دیوں کو اس
 ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے
 درس عنوان تماشا بہ تغافل خوشتر
 وحشت آتش دل سے شب تنہائی میں
 غم عشاق نہ ہو سادگی آموز بتاں
 اثر ابلہ سے جادہ صحرائے جنوں
 بے خودی بستر تمہید فراغت ہو جو
 شوق دیدار میں گر تو مجھے گردن مارے
 بے کسی مارے شب ہجر کی وحشت ہے
 گردش ساغر صد جلوہ رنگیں تجھ سے
 نگہ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اس
 نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے
 میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اسے جذبہ دل
 کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول جائے
 غیر پھرتا ہے لینے یوں ترے خط کو کہ اگر
 اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
 کہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
 موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ ہے
 بوجہ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے

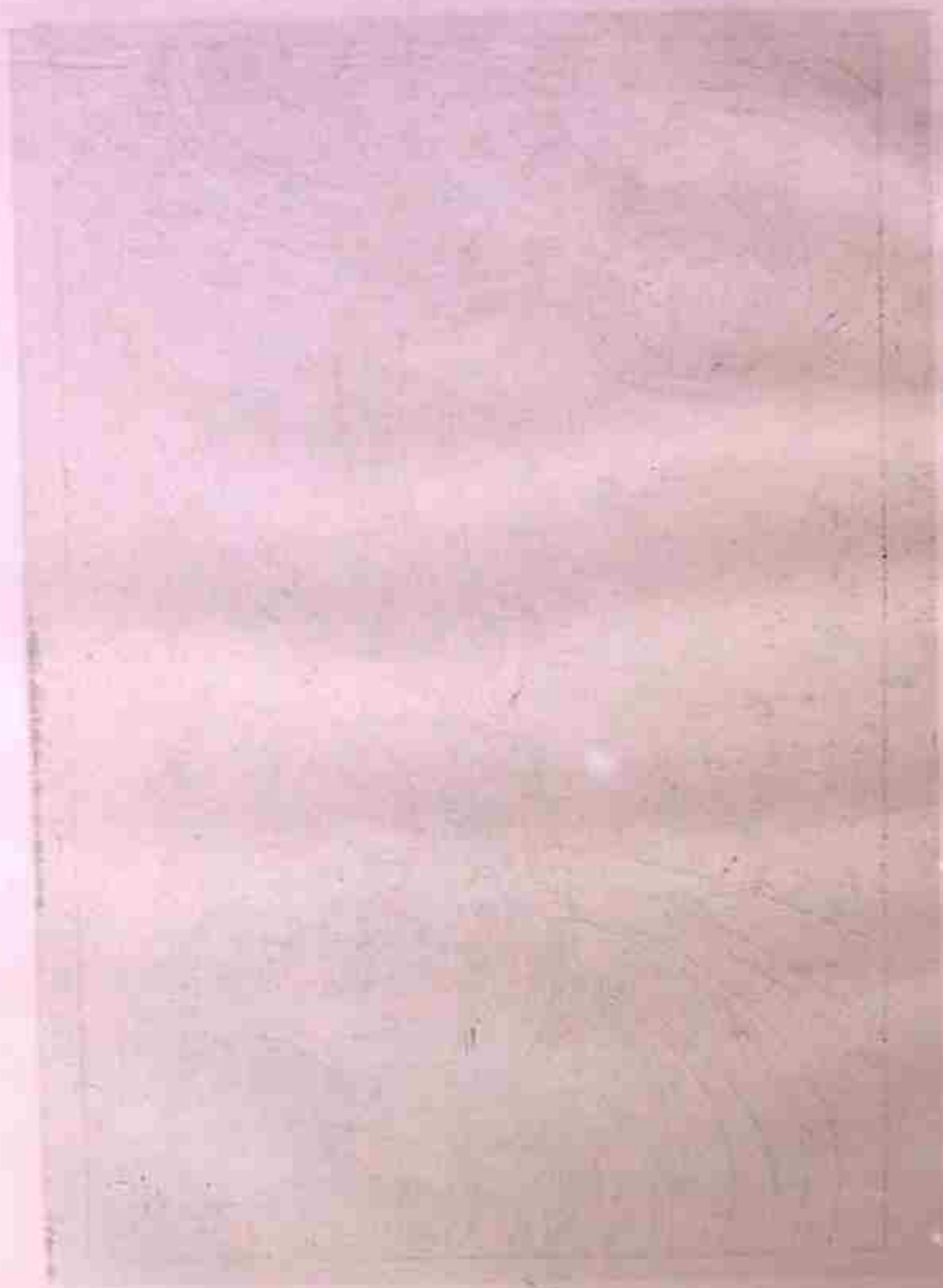
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے
 میری رفتار سے بھاگے ہے بیا باں مجھ سے
 ہے نگہ رشتہ شیرازہ مژگاں مجھ سے
 صورت دور ما سایہ گریزاں مجھ سے
 کس قدر خانہ آئینہ ہے ویراں مجھ سے
 صورت رشتہ گوہر ہے چراغاں مجھ سے
 پر ہے سائے کی طرح میرا شبستاں مجھ سے
 ہو نگہ مثل گل شمع پریشاں مجھ سے
 سایہ خورشید قیامت میں پنہاں مجھ سے
 آئینہ داری یک دیدہ حیراں مجھ سے
 ہے چراغاں خس و خاشاک گلستاں مجھ سے
 کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے
 اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے
 کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے
 کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے
 ماتہ آئیں تو انہیں ماتہ لگائے نہ بنے
 پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے
 تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
 کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
 چاک کی خواہش اگر وحشت بہ عریانی کرے
 جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کھینچے خیال
 ہے شکست سے بھی دل نوید یارب کب تلک
 میکہ دگر چشم مست ناز سے پائے شکست
 خطِ عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عمد
 وہ آکے خواب میں تسکین اضطراب تو دے
 کرے بے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا
 دکھائے کہ جنبش لب ہی تمام کر ہم کو
 پلا دیے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
 اسدِ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
 تپش سے میری وقت کشمکش ہزار بستر ہے
 سرشکِ سحر ادا وہ نور العین دامن ہے
 خوشا اقبال رنجوری عبادت کو تم آئے ہو
 بہ طوفاں گاہ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی
 ابھی آتی ہے بوبالش سے اسکی زلف مشکیں کی
 کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجر یار میں غالب
 خطر ہے رشتہ الفت رگ گردن نہ ہو جائے
 سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشو و نما غالب

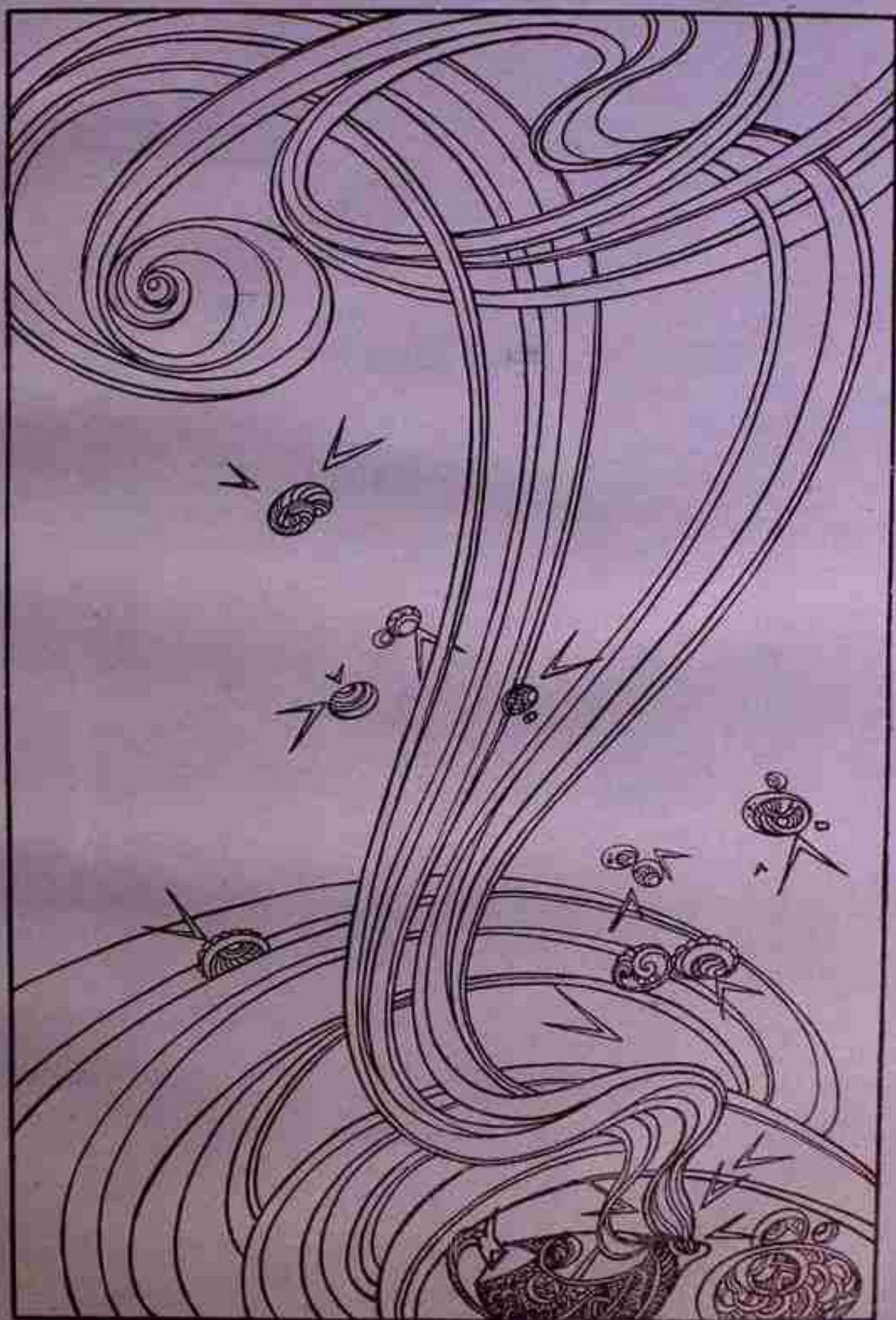
کہ لگائے نہ لگے اور بچائے نہ بنے
 صبح کے مانند زحسمِ دل گریبانی کرے
 دیدہ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے
 آئینہ کوہ پر عسرسر گراں حسانی کرے
 موے شیشہ دیدہ ساغر کی مرگانی کرے
 یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے
 ولے مجھے تپشِ دل مجالِ خواب تو دے
 تری طرح کوئی تیغِ نلکہ کو آب تو دے
 نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جاب تو دے
 پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے
 کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں اب تو دے
 مراسرِ پنج بالیں ہے راتن بار بستر ہے
 دل بے دست و پا افتادہ بر خور دار بستر ہے
 فروغِ شمع بالیں طالع بیدار بستر ہے
 شعاعِ آفتاب صبحِ محشر تار بستر ہے
 ہماری دید کو خوابِ زلیخا عار بستر ہے
 کہ بے تابی سے ہر اک تار بسترِ خار بستر ہے
 غرور دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے
 اگر گل سرو کے قامت پہ پیراہن ہو جائے

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
 کیوں بوتے ہیں باغبان تو بنے
 ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے
 ہاں کھائیو مست فریب سستی
 شادی سے گزر کہ غم نہ ہووے
 کیوں ردِ قبح کرے ہے زاہد
 ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب
 نہ پوچھ نسخہ مرہم جراحستِ دل کا
 بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
 ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے
 درپردہ انہیں غیر سے ہے ربط نہانی
 یہ باعثِ نومیدیٰ اربابِ ہوس ہے
 کرے ہے بادِ ترے لب سے کسبِ ناکِ فروغ
 کبھی تو اس دلِ شوریدہ کی بھی داد ملے
 بجائے گرنے نئے نالہائے بلبل زار
 اسد ہے نزع میں چل بیوفا برائے خدا
 کیوں نہ ہو چشمِ بتاں جو تغافل کیوں ہو
 مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی
 عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد

نالہ پابند نے نہیں ہے
 گر باغ گدائے نہیں ہے
 پر شجہ سی تو کوئی شے نہیں ہے
 ہر چند کہیں کہے نہیں ہے
 اُردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے
 مے ہے یگس کی تے نہیں ہے
 آخر تو کیا ہے لے نہیں ہے
 کہ اس میں ریزہ الماس جزوِ عظم ہے
 وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے
 مرتے ہیں و لے اُن کی تمنا نہیں کرتے
 ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردا نہیں کرتے
 غالب کو بُرا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے
 خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گلچیں ہے
 کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے
 کہ گوشِ گلِ نمِ شبنم سے پنبہ آگیاں ہے
 مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں ہے
 یعنی اس بیار کو نظارے سے پرہیز ہے
 وائے ناکامی کہ اُس کافر کا خنجر تیز ہے
 جوشِشِ فصلِ بہاری اشتیاقِ انگیز ہے



باد و دیک جهان بگشاید ای نہیں
دیک غارن شہستان دل بچو اندم



دیا ہے دل اگر اُس کو بشر ہے کیا کیئے
 یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ ہے
 رہے ہیں گدے کہ کوئے دوست کو اب
 زہے کرشمہ کیوں دے رکھا ہے ہم کو فریب
 سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسش حال
 تمہیں نہیں ہے سرِ رشتہ وفا کا خیال
 انہیں سوال پہ زعم جنوں ہے کیوں لڑیئے
 حسد سزا کے کمال سخن ہے کیا کیجے
 کہا ہے کس نے کہ غالب بُرا نہیں لیکن
 دیکھ کر درپردہ گرم دامن افشانی مجھے
 بن گیا تیغ نگاہ یار کا سنگِ فساں
 کیوں نہ ہو بے التفاتی اُس کی خاطر جمع ہے
 میرے غم خانے کی قسمت جب قم ہوئے لگی
 بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاشکے
 واسے داں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا
 وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے
 ہاں نشاطِ آمدِ فصل بہاری واہ واہ
 دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی
 یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے

ہوا رقیب تو ہونا نہ رہے کیا کیئے
 قضا سے شکوہ ہیں کس قدر ہے کیا کیئے
 اگر نہ کیسے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کیئے
 کہ بن کے ہی انہیں سب خبر ہے کیا کیئے
 کہ یہ کہے کہ سرِ رہ گزر ہے کیا کیئے
 ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کیئے
 ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کیئے
 ستم بہائے متاعِ ہمنر ہے کیا کیئے
 سوائے اس کے کہ آشفۃ سر ہے کیا کیئے
 گر گنی وابستہ تن میری عربانی مجھے
 مرجا میں کیا مبارک ہے گرانِ جانی مجھے
 جانتا ہے محوِ پرش ہائے پنهانی مجھے
 بلکہ دیا منجما اسبابِ یرانی مجھے
 اس قدر ذوقِ نوائے مرغِ بستانی مجھے
 لے گیا تھا گور میں ذوقِ تنِ آسانی مجھے
 تم نے کیوں سنی ہے میرے گھر کی بانی مجھے
 پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزلِ خانی مجھے
 میرزا یوسف ہے غالب یوسفِ ثانی مجھے
 سبجہ زاہد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے

ہے کشاد خاطر وابستہ در رہن سخن
 یارب اس اشتگی کی داد کس سے چاہیے
 طبع ہے مشتاق لذت بائے حسرت کیا کروں
 دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے
 حضور شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہے
 قد و گیسو میں قیس کوہ کن کی آزمائش ہے
 کریں گے کوہ کن کے حوصلے کا امتحان آخر
 فیسم مصر کو کیا پیر کنگاں کی ہوا خواہی
 وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کیسو پھر کہ غافل تھے
 رہے دل ہی میں تیرا چھاجگر کے پار ہو بہتر
 نہیں کچھ سچہ و زنا رکے پھندے میں گمراہی
 پڑا رہے دل ابستہ بیتابی سے کیا حاصل
 رگ و پے میں جب اترے زہر غم تب دیکھیے کیا ہو
 وہ آئیں گے مرے گھر وعدہ کیا دیکھنا غالب
 کبھی نیکی بھی اُس کے جی میں گرا جائے ہے مجھ سے
 خدایا جذبہ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے
 وہ بدخوا اور میری داستان عشق طولانی
 ادھر وہ بدگمانی ہے ادھر یہ ناتوانی ہے
 سنبھلنے دے مجھے اے نا اُمیدی کیا قیاس ہے

تھا طلسم قفل ابجد خانہ مکتب مجھے
 رشک آسائش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے
 آرزو سے ہے شکست آرزو مطلب مجھے
 عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے
 چمن میں خوش نوا یان چمن کی آزمائش ہے
 جہاں ہم ہیں وہاں اور سن کی آزمائش ہے
 ہنوز اس خستہ کے نیروے تن کی آزمائش ہے
 اُسے یوسف کی بوسے پہن کی آزمائش ہے
 شکیب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہے
 غرض شستہ بت ناوک فگن کی آزمائش ہے
 وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے
 مگر پھر تاب زلف پر شکن کی آزمائش ہے
 ابھی تو تمہنی کام و دہن کی آزمائش ہے
 نئے فتنوں میں اب چرخ کمن کی آزمائش ہے
 جفا میں کر کے اپنی یاد شرم جائے ہے مجھ سے
 کہ جتنا کھینچتا ہوں اوکھنچتا جائے ہے مجھ سے
 عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے
 نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے
 کہ دامن خیال یا رچھوٹا جائے ہے مجھ سے

تکلف برطرف نظر آگئی میں بھی سہی لیکن
 ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبرد عشق میں زخمی
 قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر غالب
 زبکہ مشق تماشا جنوں علامت ہے
 نہ جانوں کیوں کہ مٹے داغ طعن بدعہدی
 بریچ و تاب ہو سسک عافیت مت توڑ
 وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد
 لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جاوے مجھے
 کیا تعجب ہے کہ اُس کو دیکھ کر آجائے رحم
 منہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پر بہ اندازِ عتاب
 یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں
 باز بچہ اطفال ہے دُنیا مرے آگے
 اک کھیل ہے اور نگِ سلیمان مرے نزدیک
 جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
 ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے
 مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے
 سچ کہتے ہو خود میں خود آراہوں نہ کیوں ہوں
 پھر دیکھیے اندازِ گل فشانی گفتار
 نفرت کا گماں گزرے ہے میں شکستے گزرا

وہ دیکھا جائے کب ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے
 نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے
 وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے
 کشاد و بست مرثہ سیلی ندامت ہے
 تجھے کہ آئینہ بھی ورطہ ملامت ہے
 نگاہِ عجز سررشتہ سلامت ہے
 جنوں ساختہ و فصل گل قیامت ہے
 میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی بتلاوے مجھے
 واں تلک کوئی کسی جیلے سے پہنچاوے مجھے
 کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلاوے مجھے
 زلفِ گر بن جاؤں تو شانے میں اُبھاوے مجھے
 ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
 اک بات ہے اعجازِ میحمارے آگے
 جز وہم نہیں ہستیِ استیہمارے آگے
 گھستا ہے جہیں خاک پہ دریا مرے آگے
 تو دیکھ کر کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے
 میٹھا ہے بُتِ آئینہ سیما مرے آگے
 رکھدے کوئی پیما نہ صہبامرے آگے
 کیونکر کہوں لو نام نہ اُن کا مرے آگے

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
 عاشق ہوں پر عشق فریبی ہے مرا کام
 خوش ہوتے ہیں پر وصل میں مٹ نہیں جاتے
 ہے جو جزن اک قلم خوں کاش یہی ہو
 گویا تھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں دم ہے
 ہم پیشہ وہم مشرب ہم راز ہے میرا
 کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کیسے
 نہ کیو طعن سے پھر تم کہ ہم سنگم ہیں
 وہی شترسی پر دل میں جب اتر جاوے
 نہیں ذریعہ راحت جراحات پیکاں
 جو مدعی بنے اُس کے نہ مدعی بنیے
 کہیں حقیقت جاں کا بنی مرض لکھیے
 کبھی شکایت رنج گراں نشیں کیجے
 رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجے
 نہیں نگار کو الفت نہ ہو نگار تو ہے
 نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے
 سفینہ جبکہ کنارے پہ آگیا غالب
 رونے سے اور عشق میں مینا ک ہو گئے
 صرف بہائے مے ہوئے آلاتِ مکشی

کب مرے پیچھے ہے کلیں مرے آگے
 مجنوں کو بُرا کہتی ہے لیلے مرے آگے
 آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے
 آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے
 رہنے دوا بھی ساغر و مینا مرے آگے
 غالب کو بُرا کیوں کہو اچھا مرے آگے
 تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے
 مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے
 نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے
 وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دکشا کہیے
 جو نامزائے اُس کو نہ ناسزا کہیے
 کہیں مصیبت ناسازی دوا کہیے
 کہیں حکایت صبر گریز پا کہیے
 کئے زبان تو خنجر کو مر جسا کہیے
 روانی روش و سستی ادا کہیے
 طراوت چمن و خوبی ہوا کہیے
 خدا سے کیا ستم و جورِ نا خدا کہیے
 دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے
 تھے یہی دو حساب سوئوں پاک ہو گئے

آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے
ہیں مزید اس طرح کی شاندار،
مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے
ہمارے ویس ایپ گروپ کو جوائن کریں

ایڈمن پینل

عبداللہ عتیق : 03478848884

صدر طاہر : 03340120123

حسین سیالوی : 03056406067

دیکھو نیچے جو دیدہ و عبرت نگاہ ہے
میری سونو گوش نصیحتِ نبوت ہے



رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم
 کتا ہے کون نالہ بلبل کو بے اثر
 پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا
 کرنے گئے تھے اُس سے تغافل کا ہم گل
 اس رنگ سے اٹھائی گل اُس نے اسد کی نیش
 نشہ ما شاو اب رنگ و ساز با مست طرب
 ہم نشین مست کہ کہ برہم کرنے بزم عیش دوست
 عرض ناز شوخی دندان برائے خندہ ہے
 ہے عدم میں فحشہ موج عبرت انجام گل
 کلفت افسردگی کو عیشش بیتابی حرام
 سوزش باطن کے میں اجباب منکر ورنیاں
 حُسن بے پروا خریدار متاع جلوہ ہے
 تاکجا اے آگمی رنگ تماشا باضتن
 جب تک دمان زخم نہ پیدا کرے کوئی
 عالم غبار وحشت مجنوں ہے سرسبر
 افسردگی نہیں طرب انشاے التفات
 رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے
 چاک جگر سے جب رہ پرسش نہواہونی
 نخت جگر سے ہے رگ ہر خار شاخ گل

بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے
 پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے
 آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے
 کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے
 دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے
 شیشہ سے سرو سبز جو بسا رنغمہ ہے
 واں تو میرے نالے کو بھی اعتبار نغمہ ہے
 دعوے جمعیت اجباب جائے خندہ ہے
 یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے
 ورنہ دندان در دل افشردن بنائے خندہ ہے
 دل محیط گریہ و لب آشنائے خندہ ہے
 آئینہ زانوئے فکر خستہ راع جلوہ ہے
 چشم و اگر دیدہ آغوش و دواع جلوہ ہے
 مشکل کہ تجھ سے راہ سخن واکرے کوئی
 کب تک خیال طرۃ لیلے کرے کوئی
 ہاں دروین کے دل میں مگر جا کرے کوئی
 آخر کبھی تو عقدہ دل واکرے کوئی
 کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی
 تا چند باغبانی صحرا کرے کوئی

ناکامی نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز
 ہر سنگ و خشت ہے صدفِ گوشت گشت
 سر بر ہوئی نہ وعدہ صبر آزما سے عمر
 ہے وحشتِ طبیعت ایجا دیاس خیز
 بیکاری جنوں کو ہے سر پٹنے کا شغل
 حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے اسد
 ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
 شرع و آئین پر مدار سہی
 پال جیسے کڑی کمان کا تیر
 بات پرواں زبان کٹتی ہے
 بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
 نہ سگوگر بُرا کسے کوئی
 روک لو گر غلط چلے کوئی
 کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند
 کیا کیا خضر نے سکندر سے
 جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
 بہت سی غم گیتی شراب کم کیا ہے
 تمھاری طرزِ درویش جانتے ہیں ہم کیا ہے
 سخن میں خامِ غالب کی آتش افشانی

تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
 نقصان نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی
 فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی
 یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی
 جب ماتہ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی
 پہلے دل گدخت پیدا کرے کوئی
 میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
 ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
 دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
 وہ کہیں اور سنا کرے کوئی
 کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
 نہ کہو گر بُرا کرے کوئی
 بخش دو گر خطا کرے کوئی
 کس کی حاجت دوا کرے کوئی
 اب کسے رہنا کرے کوئی
 کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی
 غلام ساقی کو شرابوں مجھ کو غم کیا ہے
 رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے
 یقین ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں کیا ہے

باغ پاکر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے
 جو ہر تیغ بہ سرِ شمشیر دیگر معلوم
 نہ عام محو تماشاے شکستِ دل ہے
 نالہ سرمایہ یک عالم و عالمِ کعبِ خاک
 زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
 روندی ہوئی ہے کوکبہ شہریار کی
 جب اُس کے دیکھنے کے لیے آئیں بادشاہ
 بھوکے نہیں ہیں سیرِ گلستاں کے ہم ولے
 ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم بھلے
 ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہیگا اُس کی گردن پر
 نکلتا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
 بھرم کھل جائے ظالم تیرے قیامت کی درازی کا
 مگر لکھوائے کوئی اُس کو خط تو ہم سے لکھوائے
 ہوئی اس دور میں منوب مجھ سے بادہ آشامی
 ہوئی جن سے توقعِ حسنگی کی داد پانے کی
 محبت میں نہیں ہے فرق بیٹنے اور مرنے کا
 کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں اعظا
 کوہ کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائے
 بیضہ آسانگِ بال و پر ہے یہ کنجِ قفس

سایہ شاخِ گل افغی نظر آتا ہے مجھے
 ہوں میں وہ سبزہ کہ زہرا بگاتا ہے مجھے
 آئینہ خانے میں کوئی لیٹے جاتا ہے مجھے
 آسمان بیضہ قمری نظر آتا ہے مجھے
 دیکھوں اب مر گئے پرکون اٹھاتا ہے مجھے
 اترائے کیوں نہ خاک سرِ ہزار کی
 لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی
 کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی
 بہت بھلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم بھلے
 وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھریوں دم بدم بھلے
 بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم بھلے
 اگر اس طرۃ پر تیج و نسیم کا تیج و نسیم بھلے
 ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم بھلے
 پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جامِ جسم بھلے
 وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغِ ستم بھلے
 اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فر پہ دم بھلے
 پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم بھلے
 بے تکلف اے شرابِ جنتہ کیا ہو جائیے
 از سر نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

مستی بذوق غفلت ساقی ہلاک ہے
 جز زخم تیغ ناز نہیں دل میں آرزو
 جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اس
 لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
 آمد سیلاب طوفان صدائے آب ہے
 بزم سے وحشت کہہ ہے کس کی شیم ست کا
 بھول میں بھی تماشائی نیزنگ تماشا
 سیابی جیسے گر جانے دم تحریر کا غد پر
 ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض یک افغاں ہے
 تکلف برطرف ہے جانساں تر لطف بدخویاں
 ہوئی یہ کثرت غم سے تلف کیفیت شادی
 دل و دیں نقد لاساقی سے گر سودا کیا چاہے
 غم آغوش بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو
 خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے
 فشار تنگی خلوت سے بنتی ہے شبنم
 نہ پوچھ سینہ عاشق سے آب تیغ نگاہ
 جس جانسیم شانہ کش زلف یار ہے
 بکریاں سراغ جلوہ ہے حیرت کو لے خدا
 ہے ذرہ ذرہ تنگی جا سے غبار شوق

موج شراب یک مژدہ خواب ناک ہے
 جیب خیال بھی ترے ہاتھوں چاک ہے
 صحرا ہماری آنکھ میں یک مشت خاک ہے
 قیامت کشتہ لعل بتاں کا خواب سنگیں ہے
 نقش پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ سے
 شیشے میں نہیں پری پنہاں ہے موج باد سے
 مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی برائے
 مری قسمت میں توں تصویر ہے شب بھجراں کی
 خموشی ریشہ صد نیستاں سے خس بدنداں ہے
 نگاہ بے حجاب ناز تیغ تیز عریاں ہے
 کہ صبح عید مجھ کو بد تر از چاک گریاں ہے
 کہ اس بازار میں ساغر متاع دستگرداں ہے
 چراغ روشن اپنا قلم صرصر کا مرجاں ہے
 نگاہ دل سے تری سر نہ سا نکلتی ہے
 صبا جو غنچہ کے پردے میں جا نکلتی ہے
 کہ زخم روزن در سے ہوا نکلتی ہے
 نافہ دماغ آہو سے دشت تار ہے
 آئینہ فرش شش جہت انتظار ہے
 گردام یہ ہے وسعت صحرا شکار ہے



آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے دو گئے
صاحب کو دل نہ رہے پر کتنا غور تھا

دل مدعی و دیدہ بنامد عالینہ
 چھڑکے ہے شبنم آئینہ برگ گل پر آب
 پیچ آپڑی ہے وعدہ دلدار کی مجھے
 بے پردہ سوئے وادی مجنوں گرز زکر
 اے عذیب یک کعب خس بہر آشیان
 دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی
 غفلت کفیل عمرو سد ضامن نشاط
 آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
 حسرت نے لار کھاتری بزم خیال میں
 پھونکا ہے کس نے گوش محبت میں لے خدا
 سر پر ہجوم درد غم سہی سے ڈالے
 ہے چشم تر میں حسرت دیدار سے نناں
 درکار ہے شگفتن گھماے عیش کو
 غالب بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کے
 شبنم بگل و لالہ نہ خالی زاد ا ہے
 دل خوں شدہ کشمکش حسرت دیدار
 شعلے سے نہ ہوتی ہوس شعلہ نے جو کی
 تماشال میں تیری ہے وہ شوخی کو بصدوق
 قمری کعب خاکسترو ببل قفس رنگ

نظارہ کا مہتمد پھر رو بکار ہے
 اے عذیب وقت و دایع بہار ہے
 وہ آئے یا نہ آئے یہاں انتظار ہے
 ہر فنے کے نقاب میں دل بقرار ہے
 طوفان آمد آفیسل بہار ہے
 اے بے دماغ آئینہ تماشال دار ہے
 لے مرگ ناگماں تجھے کیا انتظار ہے
 ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
 گلہ بستہ نگاہ سوید اکہیں جسے
 افسون آتشیار تمنا کہیں جسے
 وہ ایک مشت خاک کہ صحر اکہیں جسے
 شوق غناں گسیختہ دریا کہیں جسے
 صبح بہار پنسبہ بینا کہیں جسے
 ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے
 داغ دل بے درد نظر گاہ حیا ہے
 آئینہ بدست بُت بدست خنا ہے
 جی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے
 آئینہ بہ اندازِ گل آغوش کشا ہے
 اے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے

خونے تری افسردہ کیا وحشت دل کو
 مجبوری و دعوائے گرفتاری الفت
 معلوم ہوا حال شہیدان گزشتہ
 لیے پر تو خورشید جہاں تاب ادھر بھی
 ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی لیے داد
 بیگانگی خلق سے بے دل نہ ہو غالب
 منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
 اک خوشچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں
 واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلاسکو
 لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا
 آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
 گواں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
 کیا فرض ہے کہ سب کو لیے ایک سا جواب
 گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
 غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے لیں
 غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے
 کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
 نے تیر کماں میں ہے نہ صستیاد کیوں میں
 کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گر چہ ریائی

معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے
 دست تیر سنگ آمدہ پیمان وفا ہے
 تیغ ستم آئینہ تصویر نما ہے
 سائے کی طرح ہم چھبٹت پڑا ہے
 یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے
 کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے
 قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی
 پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ جور کی
 کیا بات ہے تمھاری شراب ظہور کی
 گویا ابھی سنی نہیں آواز صور کی
 اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طہور کی
 کبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی
 آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی
 کی جس سے بات اُس نے شکایت ضرور کی
 حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی
 یہ رنج کہ کم ہے مے گلفام بہت ہے
 ہے یوں کہ مجھے دُرد تیر جام بہت ہے
 گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
 پاداشِ عمل کی طبعِ حسام بہت ہے

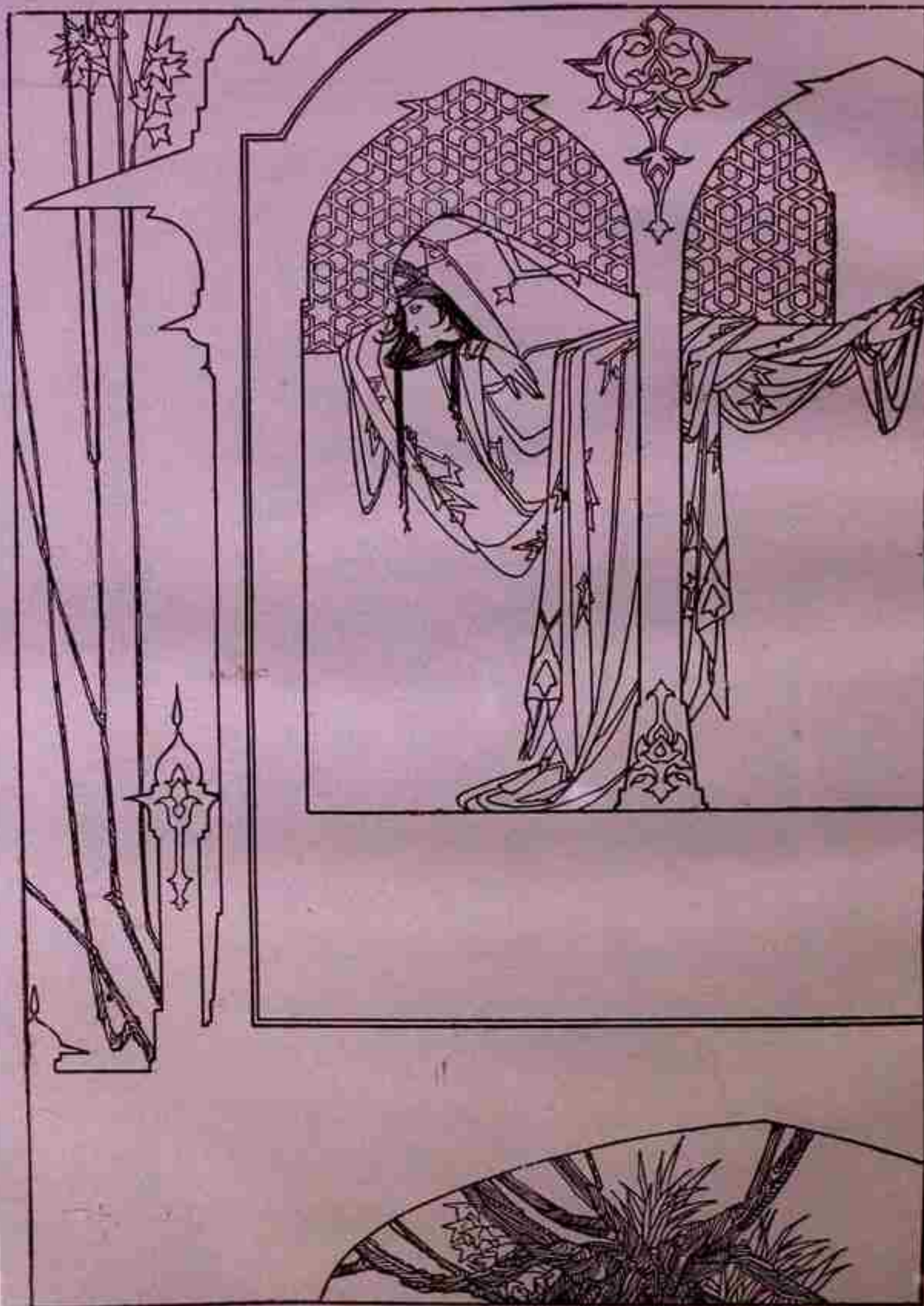
ہیں اہل خرد کس روش خاص پر نازاں
 زمزم ہی پر چھوڑو مجھے کیا طوفِ حرم سے
 ہے قہر گراب بھی نہ بنے بات کہ اُن کو
 خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں لے مرگ
 ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
 مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
 کرتا ہوں جمع پھر بگر بخت بخت کو
 پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
 پھر گرم نالہائے شرر بار ہے نفس
 پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
 پھر بھر رہا ہوں خامہ مرگاہ بہ خونِ دل
 باہد گر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
 دل پھر طواف کوئے ملامت کو جائے ہے
 پھر شوق کر رہا ہے خسریدار کی طلب
 دوڑے ہے پھر ہر ایک گلِ لالہ پر خیال
 پھر چاہتا ہوں نام سے دلدار کھولنا
 مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
 چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
 اک نو بہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ

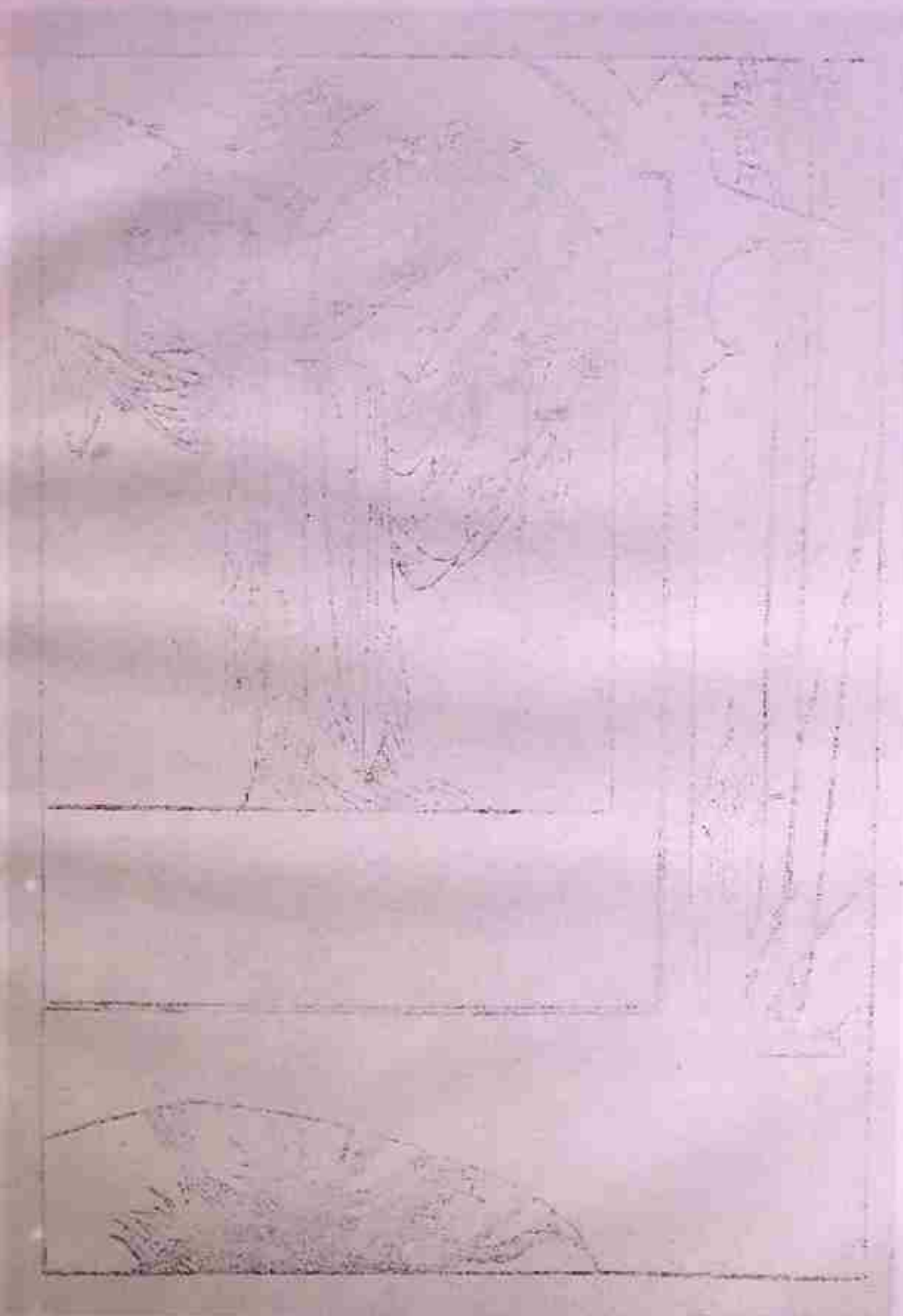
پابستگی رسم و روہ عام بہت ہے
 آلودہ بے جا مہ اسرام بہت ہے
 انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے
 رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے
 شاعر تو وہ اچھا ہے پر بدنام بہت ہے
 جوشِ قہج سے بزمِ چراغاں کیے ہوئے
 عرصہ ہوا ہے دعوتِ مرگاہ کیے ہوئے
 برسوں ہوئے ہیں چاک گریاں کیے ہوئے
 مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کیے ہوئے
 سامانِ حسد ہزار نکداں کیے ہوئے
 سازِ چمن طسرازیِ داماں کیے ہوئے
 نظارہ و خیال کا ساماں کیے ہوئے
 پسندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے
 عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے
 صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے
 جاں نذرِ دلفریبی غواں کیے ہوئے
 زلفِ سیاہ رخ پر پریشاں کیے ہوئے
 سرے سے تیز دشنہ مرگاہ کیے ہوئے
 چہرہ فروغ نے سے گلستاں کیے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ درپہ کسی کے پٹے رہیں
 جی دھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
 غالب ہیں نہ چھیر کہ پھر جوش اشک سے
 نوید امن ہے بیدار دوست جاں کے لیے
 بلا سے گر مرثیہ یار تشنہ خوں ہے
 وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق کے خضر
 رہا بلا میں بھی میں مبتلا سے آفت رشک
 فلک نہ دور رکھ اُس سے مجھے کہ میں ہی نہیں
 مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
 گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے
 بقدر شوق نہیں طرف تنگنا سے غزل
 دیا ہے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے
 زباں پہ بار حُسن آیا یہ کس کا نام آیا
 نصیر دولت و دیں اور معین ملت و ملک
 زمانہ عہد میں اُس کے ہے مجھ آرایش
 ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
 ادائے خاص سے غالب ہوا بنے نکتہ سرا

سرزیر بارِ مست درباں کیئے ہوئے
 بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیئے ہوئے
 بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کیئے ہوئے
 رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لیے
 رکھوں کچھ اپنی بھی مرگاہِ خوفشاں کے لیے
 نہ تم کہ چور بنے عسیر جاوداں کے لیے
 بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کے لیے
 دراز دستی قاتل کے امتحاں کے لیے
 کرتے قفس میں فراہم خنِ شیاں کے لیے
 اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے
 کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے
 بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے
 کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے
 بنا ہے چرخ بریں جس کے آستان کے لیے
 بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لیے
 سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے
 صلائے عام ہے یارانِ نگہتاں کے لیے







مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس
ذلف یاہ رخ پہ پریشاں کئے ہوئے

قصائد

سازیک وزد نہیں فیضِ جن سے بیکار
مستی بادِ صبا سے ہے بحرِ غنِ سبزہ
بسنر ہے جامِ زمرد کی طرح داغِ پلنگ
مستی ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت
کوہ و صحرا ہمہ معموری شوقِ لبسِ بل
سوچے ہے فیضِ ہوا صورتِ مرگنِ قیم
کاٹ کر پھینکے ناخن تو باندازِ بلال
کفِ ہر خاک بگردوں شدہ قمری پرواز
میکدے میں ہو اگر آرزوئے گلچینی
موجِ گل ڈھونڈتے بجلوت کدہ غنچہ باغ
کھینچے گر مانی اندیشہ چمن کی تصویر
معل سے کی ہے پئے زمردِ مدحتِ شاہ
وہ شہنشاہ کہ جس کی پئے تعمیرِ سرا
فلکِ العرشِ جہومِ خمِ دوششِ مزدور
بسنر نہ چمن و یک خطِ پشتِ لب بام
واں کی خاشاک سے حاصل ہو جسے یک گاہ

سایہ لالہ بیدار غنِ سویدائے بہار
ریزہ شیشہ سے جو ہر تیغِ کسار
تازہ ہے ریشہ نازِ پنج صفتِ رے شرار
کہ اس آغوش میں مکن ہے دو عالم کا فشار
راہِ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے بیدار
سرِ نوشتِ دو جہاں ابر بیکِ سطرِ غبار
قوتِ ناسیہ اس کو بھی نہ چھوٹے بیکار
دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤسِ تنکار
بھول جا یک قنچِ بادہ بطلاقِ گلزار
گم کرے گوشہ میخانہ میں گر تو دستار
بسنر مثلِ خطِ نوخیز ہو خطِ پرکار
طلوئی سبزہ کسار نے پیدا منتقار
چشمِ جبریل ہوئی قالبِ خشتِ دیوار
رشتہ فیضِ ازل سازِ طنابِ معمار
رفتِ ہمتِ حدِ عارفِ یک اوجِ حصار
وہ رہے مزو حہ بالِ پری سے بزار

خاک صحرائے نجف جو ہر سیرِ عرفا
 دزد اس گرد کا خورشید کو آئینہ ناز
 آفرینش کو ہے اں سے طلبِ مستی ناز
 فیض سے تیرے ہے اے شمعِ شبستان بہار
 شکلِ طاووس کرے آئینہ خانہ پر داز
 تیری اولاد کے غم سے ہے مٹے گردوں
 ہم عبادت کو ترا نقشِ قدم مہر ناز
 صبح میں تیری نہاں زمر زنجبست نبی
 جو ہر دستِ دعا آئینہ یعنی تاثیر
 مردمک سے ہو عزا خانہ اقبال نگاہ
 دشمنِ آلِ نبی کو بہ طرب خانہ دہر
 دیدہ تادلِ اسد آئینہ یک پر تو شوق
 دہر جز جلوہ یکستانی معشوق نہیں
 بیدلی مائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
 ہرزہ ہے نغمہ زیر و بم ہستی و عدم
 نقشِ معنی ہمہ خمیازہ عرضِ صورت
 لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم
 مثلِ مضمون و فاباد بدستِ تسلیم
 عشقِ بی نظی شیرازہ اجزائے حواس

چشمِ نقشِ قدم آئینہ بخت بیدار
 گرد اس دشت کی امید کو احرام بہار
 عرضِ خمیازہ ایجاد ہے ہر موجِ غبار
 دل پروانہ چراغاں پر بلبلِ گلزار
 ذوق میں جلوہ کے تیرے ہو اے دیدار
 سلکِ اختر میں مبدوِ مرثہ گو ہر بار
 ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظمار
 جام سے تیرے عیاں بادۂ جوشِ اسرار
 یک طرفہ نازشِ مشکان و گرسو غمِ خار
 خاکِ در کی تری جو چشم نہ ہو آئینہ دار
 عرضِ خمیازہ سیلاب ہو طاقِ دیوار
 فیضِ منی سے خطِ ساغرِ اقم سرشار
 ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود میں
 یکسی ہائے تنہا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں
 لغو ہے آئینہ فرقِ جنون و تمکیں
 سخنِ حق ہمہ پیمانہ ذوقِ تحسین
 دردِ یک ساغرِ غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں
 صورتِ نقشِ قدم خاک بفرقِ تمکیں
 وصلِ زنگارِ رخ آئینہ حسنِ نقییں

کو کہن گر سہ مزدور طرب گاہ رقیب
 کس نے دیکھا نفس اہل وفا آتش خیز
 سامع زمزمہ اہل جہاں ہوں لیکن
 کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذ باللہ
 نقشب لا حول لکھ اے خامہ ہڈیاں تحریر
 منظر فیض خدا جان و دل خستم رسل
 ہو وہ سرمایہ ایجاد جہاں گزم خرام
 جلوہ پرداز ہو نقش قدم اس کا جس جا
 نسبت نام سے اس کے ہے یہ رتبہ کہ ہے
 فیض خلق اس کا ہی شامل ہے کہ بتا ہے سدا
 برترش تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا
 کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے
 جاں پناہ دل و جاں فیض سانا سنا
 جسم اطہر کو ترے دوشش پیہر منبر
 کس سے ممکن ہے تری مہر بغیر از واجب
 آستان پر ہے ترے جو ہر آئینہ سنگ
 تیرے در کے لیے اسباب تار آمادہ
 تیری مدحت کے لیے میں نے جان کام و زباں
 کس سے ہو سکتی ہے مداحی مہر و حندا

بیستوں آئینہ خواب گراں شیریں
 کس نے پایا اثر نالہ و لہاے حزیں
 نہ سرو برگ ستائش نہ دماغ نفیس
 یک قلم خارج آداب و متار و تمکین
 یا علی عرض کراے فطرت و سواس قریں
 قبلہ آل نبی کعبہ ایجا و یقین
 برکت خاک ہے واں گردہ تصویر میں
 وہ کھٹ خاک ہے ناموس دو عالم کی امیں
 ابد اُپشت فلک خم شدہ ناز میں
 بوے گل سے نفس باوہسا عطر آگین
 قطع ہو جائے نہ سر رشته ایجاد کہیں
 رنگ عاشق کی طرح رونق بخشاں ہیں
 یہی ختم رسل تو ہے بقواے یقین
 نام نامی کو ترے ناصیہ عرش نگین
 شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں
 رقم بندگی حضرت جسیریل امیں
 خاکیوں کو جو خدا نے دیے جان و دل و دیں
 تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبین
 کس سے ہو سکتی ہے آرایش فردوسین

جنس بازار معاصی اسد اللہ اسد
 شوخی عرض مطالب میں ہے گستاخ طلب
 دے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول
 غم شہتیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز
 طبع کو الفت دل میں یہ سرگرمی شوق
 دل الفت نب و سینہ توحید فضا
 صرف اعدا اثر شعلہ دود دوزخ
 ہاں مہ نو سنیں ہم اُس کا نام
 دودن آیا ہے تو نظر و صبح
 بارے دودن کہاں رہا غائب
 اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا
 مرجبا اے سرور خاص خواص
 عذر میں تین دن نہ آنے کے
 اُس کو بھولا نہ چاہیے کہنا
 ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا
 راز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے
 جانتا ہوں کہ آج دنیا میں
 میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش
 جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو

کہ سواتیرے کوئی اُس کا خریدار نہیں
 ہے ترے حوصلہ فضل پر ازب کہ یقین
 کہ اجابت کئے ہر حرف پہ سو بار آئیں
 کہ رہیں خون جگر سے مری آنکھیں رنگیں
 کہ جہاں تک چلے اُس سے قدم اور مجھ سے نہیں
 نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزریں
 وقف اجاب گل و سبیل فردوس ہیں
 جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
 یہی انداز اور یہی اندام
 بندہ عاجز ہے گردش ایام
 آسمان نے بچھا رکھا تھا دام
 جتنا اے نشاطِ عام عوام
 لے کے آیا ہے عید کا پیغام
 صبح جو جائے اور آئے شام
 تیرا آواز اور ترانہ انجام
 مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں تمام
 ایک ہی ہے امید گاہِ انام
 غالب اُس کا مگر نہیں ہے غلام
 تب کہا ہے بطورِ استغناء



آہ بہار کی ہے جو بیل بنے نمونہ سنج
اڑتی سی راکٹ بس زبانی طیور کی

مہر تاباں کو ہو تو ہوا سے ماد
 تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا
 جانتا ہوں کہ اُس کے فیض سے تو
 ماد بن مانتا بس بن میں کون
 میرا اپنا جسدِ امسالہ ہے
 ہے مجھے آرزوئے بخشش خاص
 جو کہ بختے گا تجھ کو فر فرغ
 جب کہ چودہ ہزار سال کی
 تیرے پر تو سے ہوں فرغ پذیر
 دیکھنا میرے ماتھے میں لبریز
 پھر غزل کی روشنی چل نکلا
 زہرِ عنسم کر چکا نقسا میرا کام
 مے ہی پھر کیوں نہ میں پیئے جاؤں
 بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے
 کعبے میں جا بجائیں گے ناقوس
 اُس قہج کا ہے دورِ مجھ کو نقد
 بوسہ دینے میں اُن کو ہے انکار
 چھیڑتا ہوں کہ اُن کو غتمہ آئے
 کہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہ

قرب ہر روزہ بر سبیلِ دوام
 جز بہ تقریبِ عیدِ مادِ صیام
 پھر بنا چاہتا ہے مادِ تمام
 مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام
 اور کے لین دین سے کیا کام
 کرتے تھے ہے امیدِ رحمت عام
 کیا نہ دے گا مجھے مے گلہام
 کر چکی قطع تیر سی تیزی کام
 کھوے و مشکوے و صحن و منظر و بام
 اپنی صورت کا اک بلوریں جام
 تو سن طبع چاہتا تھا نگام
 تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام
 غم سے جب ہو گئی ہو زبیرِ حرام
 کہ نہ سمجھیں وہ لذتِ دشنام
 اب تو باندھا ہے دیر میں احرام
 چرخ نے لی ہے جس سے گردشِ ام
 دل کے لیے میں جن کو تھا ابرام
 کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام
 اے پری چہرہ پیک تیز خرام

کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا
 تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن
 قبلہ چشم و دل بہادر شاہ
 شہسوار طریت انصاف
 جس کا ہر فعل صورت اعجاز
 بزم میں میسر زبان قیصر جم
 اے ترا لطف زندگی فزا
 چشم بد و خسر و اندہ شکوہ
 جاں نثاروں میں تیرے قیصر روم
 وارث ملک جانتے ہیں تجھے
 زور بازو میں مانتے ہیں تجھے
 مرجا موش گمانی ناوک
 تیر کو تیرے تیر غنیمت بدت
 رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند
 تیرے فیل گراں جس کی صدا
 فن صورت گری میں تیرا گزر
 اُس کے مضروب کے سرو تن سے
 جب ازل میں رستم پذیر ہوئے
 اور اُن اوراق میں بہ کلب قضا

میں مد و مہر و زہر و ہست رام
 نام شاہنشاہ بلند مقام
 مظہر ذوالجلال و الاکرام
 نو بہار حقیقت اسلام
 جس کا ہر قول مہنی الہام
 رزم میں استاد رستم و سام
 اے ترا عمدہ فرخی فجام
 لوحش اللہ عارفانہ کلام
 جرم خواروں میں تیرے مرشد جام
 ایرج و تور و خسرو و بہرام
 گیو - گودرز و بیشن و ربام
 آفریں آبداری مصممام
 تیغ کو تیرے تیغ خصم نیام
 برق کو دے رہا ہے کیا الزام
 تیرے خشیں سبک عنان کا خرام
 گرنہ رکھتا ہو دست گاہ تمام
 کیوں نمایاں ہو صورت ادغام
 صفحہ ہائے لیالی و ایام
 مہلا منش درج ہوئے احکام

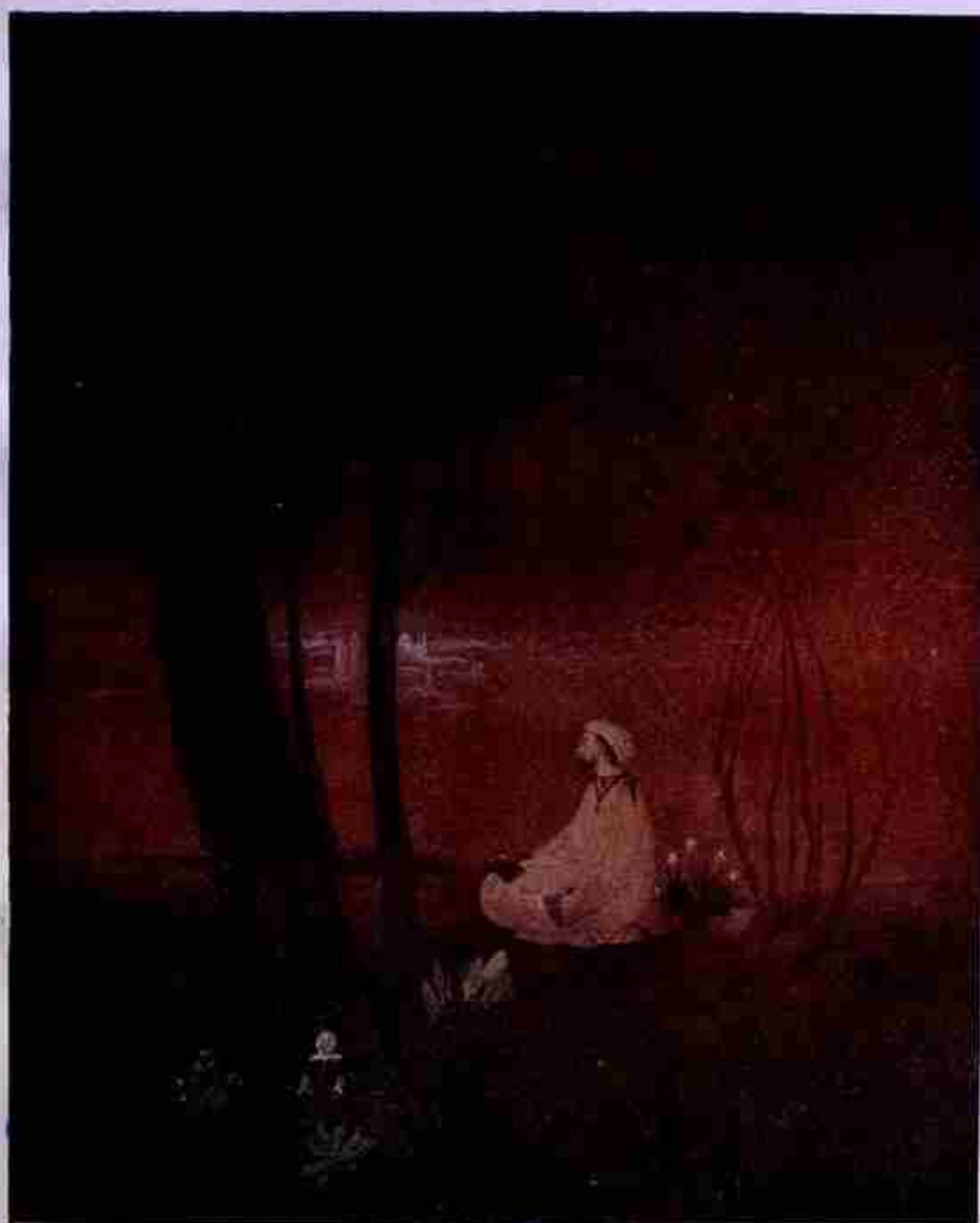
لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کش
 آسمان کو کہا گیا کہ کہیں
 حکم ناطق لکھ گیا کہ لکھیں
 آتش و آب و باد و خاک نے لی
 مہر خشاں کا نام خسرو روز
 تیری توقیع سلطنت کو بھی
 کاتب حکم نے بموجب حکم
 ہے ازل سے روانے آغاز
 صبح دم دروازہ خاں کھلا
 خسرو خجسم کے آیا صوف میں
 وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود
 میں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
 سطح گردوں پر پڑا تحارات کو
 صبح آیا جانب مشرق نظر
 تھی نظر بندی کیا جب روضہ سحر
 لاکے ساتی نے صبح وحی کے لیے
 بزم سلطانی ہوئی آراستہ
 تاج زرین مہر تاباں سے سوا
 شاد روشن دل بہادر شد کہ ہے

لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام
 گنبد تیز گرد نیلی فام
 خال کو دانہ اور زلف کو دام
 وضع سوز و غم و رم و آرام
 باد تاباں کا اسم شمع شام
 دی بدستور صورت ارتقام
 اُس رسم کو دیا طے از دوام
 ہوا بد تک رسائی انجام
 مہر عالتاب کا منظر کھلا
 شب کو تھا گنجینہ گوہر کھلا
 صبح کو راز مر و خستہ کھلا
 دیتے ہیں دھوکا یہ باز گر کھلا
 موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
 اک نگار آتشیں رخسہ کھلا
 باد و گل رنگ کا ساغر کھلا
 رکھ دیا ہے ایک جام زر کھلا
 کعبہ امن و اماں کا در کھلا
 خسرو آفاق کے منہ پر کھلا
 راز ہستی اُس پستہ کھلا

وہ کہ جس کی صورتِ تگمہ میں
 وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے
 پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام
 روشناسوں کی جہاں فرستے
 تو سن شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب
 نقش پا کی صورتیں دہ دلفریب
 مجھ پی فیض تربیت سے شاہ کے
 لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک
 تھا دل وابستہ قفل بے کلید
 باغ معنی کی دکھاؤں کا بہار
 ہو جہاں گرم غزل خوانی نفس
 کھنچ میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا
 ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جالے
 ہم کو ہے اس رازداری پر گھنٹہ
 واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ
 ہاتھ سے رکھ ہی کب ابرو نے کہاں
 مفت کا کس کو برا ہے بدرقہ
 سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک
 نامے کے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ

مقصدِ نہ چرخ و مفت اختر کھلا
 عقدہ احکامِ پنہیبِ رکھلا
 اُس کے سرنگوں کا جب فکر کھلا
 واں لکھا ہے چہرہ قیصر کھلا
 تھان سے وہ غیرتِ صرصر کھلا
 نو کے تجھ سے آذر کھلا
 منصبِ مہر و سر و محور کھلا
 میری حد و وسع سے باہر کھلا
 کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا
 مجھ سے گرشادِ سخن گستر کھلا
 لوگ جانیں طلبہ غنبر کھلا
 کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا
 یار کا دروازہ پائیں گر کھلا
 دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا
 زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا
 کب کمر سے غم کے خنجر کھلا
 رہروی میں پردہ رہب کھلا
 آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھب کھلا
 رہ گیا خطِ میری چپاتی پر کھلا

سب کہاں کچھ لارہو گل میں غایاں گشتیں
خاک میں کیا صورتیں نگی کر پتہاں گشتیں



دیکھیو غالب سے گرا بھگا کوئی
 پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال
 خامے نے پانی طبیعت سے مدد
 منج سے ممدوح کی دیکھے شکوہ
 مہر کا نیا چرخ چکر کھا گیا
 بادش کا نام لیتا ہے خلیب
 سکۂ شہ کا ہوا ہے روشناس
 شاہ کے آگے دھرا ہے آیند
 ملک کے وارث کو دیکھا غلق نے
 ہو سکے کیا منج ہاں اک نام ہے
 فکر اچھی پرستائیش ناتمام
 جانتا ہوں ہے خط لوح ازل
 تم کرو صابقرانی جب تک
 ہے ولی پوشیدہ اور کا فر کھلا
 پھر مرہ و خورشید کا دفتر کھلا
 بادباں کے اٹھتے ہی لنگر کھلا
 عرض سے یاں تب جو ہر کھلا
 بادش کا رایت لشکر کھلا
 اب غلو پایہ منبر کھلا
 اب عیار آبروئے زر کھلا
 اب مال سہمی اسکند رکھلا
 اب فریب طغرل و سنجر کھلا
 دفتر منج جہاں داور کھلا
 عجز اعجاز ستائیش کر کھلا
 تم پہ اسے خامستان نام اور کھلا
 ہے ظلم روز و شب کا در کھلا

در صفت انہ

ہاں دل دردمند ز مرزہ ساز
 خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا
 مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھیے
 بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
 کیوں نہ کھولے درخزینہ راز
 شاخ گل کا ہے گلشن ہونا
 بکتہ ہائے خسرو فرما لکھیے
 خامہ نخل رطب نشان ہو جائے

آم کا کون مرد میسداں ہے
 تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں
 آم کے آگے پیش جائے خاک
 نہ چلا جب کسی طرح معتدور
 یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے
 مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے
 نہ گل اُس میں نہ شاخ و برگ نہ بار
 اور دوڑائیے قیاس کہاں
 جان میں ہوتی گر یہ شیرینی
 جان دینے میں اُس کو یکتا جان
 نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر
 آتش گل پہ قند کا ہے قوام
 یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے
 انجبین کے بحکم ربّ الناس
 یا لگا کر خضر نے شاخ نبات
 تب ہوا ہے ثمرِ فناں یہ نخل
 تھا ترنج زر ایک خسرو پاس
 آم کو دیکھتا اگر ایک بار
 رونق کا رگادہ برگ و نوا

ثمر و شاخ گوئے و چوگاں ہے
 آئے یہ گوئے اور یہ میسداں
 پھوڑتا ہے جلے پھپھو لے تاک
 بادۂ ناب بس گیا انگور
 شرم سے پانی پانی ہونا ہے
 آم کے آگے نیشکر کیا ہے
 جب خزاں آئے تب ہو اس کی بہار
 جان شیریں میں بیٹھا کس کہاں
 کوہِ کن باوجودِ غم گینی
 پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان
 کہ دوا حسانہ ازل میں مگر
 شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام
 باغبانوں نے باغِ جنت سے
 بھر کے بھیجے ہیں سر بہر گلاس
 مہ توں تک دیا ہے آبِ حیات
 ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ غسل
 رنگ کا زرد پر کہاں بو باس
 پھینک دیتا طلائے دست افشار
 نازشیں دودمانِ آب و ہوا

رہرو راہِ خلد کا توش
 صاحب شاخ و برگ و بار ہے آم
 خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو
 وہ کہ ہے والی ولایتِ عمد
 فخر دیں عزیز شان و جاہِ جلال
 کار فرمائے دین و دولت و بخت
 سایہ اُس کا ہما کا سایہ ہے
 اے مفیض و جودِ سایہ و نور
 اس حسد او نہ بندہ پرور کو
 شاد و دل شاد و شاد ماں کھیو
 طوبی و سدرہ کا جگر گوشہ
 ناز پروردہ بہار ہے آم
 نو بر خنسل باغِ سلطاس ہو
 عدل سے اُس کے ہے حمایتِ عمد
 زینتِ طینت و جمالِ کمال
 چہرہ آرائے تاج و سند و تخت
 خلق پر وہ حسد کا سایہ ہے
 جب تک ہے نمودِ سایہ و نور
 وارثِ گنج و تخت و نسر کو
 اور غالبِ پسر باں کھیو

قطعات

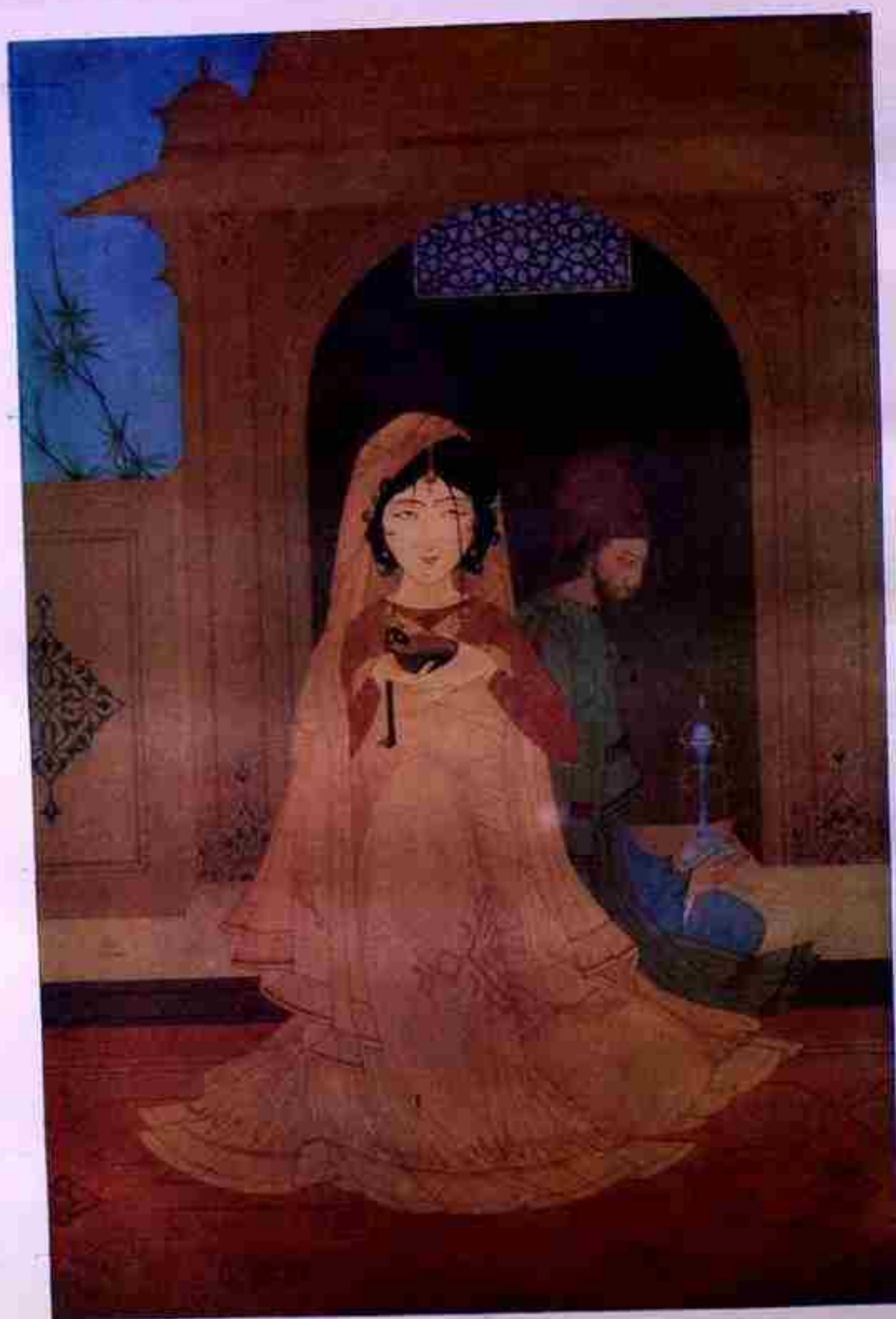
اے شہنشاہِ فلک منظرِ بے مثل و نظیر
 پاؤں سے تیرے لئے فرقِ ارادت اور نگ
 تیرا اندازِ سخن شائد زلفِ الہام
 تجھ سے عالم پہ کھلا رابطہِ قربِ کلیم
 بہ سخنِ اوجِ در مرتبہ معنی و لفظ
 تا ترے وقت میں ہو عیشِ طرب کی توقیر
 اے جہاندارِ کرم شیوہ بے شبہِ عدیل
 فرق سے تیرے کرے کسبِ سعادتِ اکیل
 تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ حبسِ ریل
 تجھ سے دنیا میں بچھا ماندہ بذلِ خلیل
 بہ کرمِ داغِ نہ ناصیبِ قلمِ زم و نیل
 تا ترے عہد میں ہو رنجِ عالم کی تکلیل

ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر
 تیری دانش مری اصلاح مفاسد کی رہین
 تیرا اقبال تر حشم مرے جینے کی نوید
 بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں
 پیچھے ڈالی ہے سرِ رشتہ اوقات میں گانٹھ
 پیشِ دل نہیں بے رابطہ خوفِ عظیم
 دُرِ معنی سے مرا صفحہ لقا کی داڑھی
 فکرِ میری گہرا اندوزِ اشارِ راستِ کثیر
 میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدقِ توضیح
 نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف
 قبلہ کون و مکان خستہ نوازی میں دیر
 گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری
 بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو دل جاؤ
 کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہنشیں
 وہ ہنرہ زار مائے مظر آ کہ ہے غضب
 صبرِ آزما وہ اُن کی نگاہیں کہ بہت نظر
 وہ میوہ مائے تازہ و شیریں کہ داد داد

اندرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل
 تیری بخشش مری انجام مقاصد کی کفیل
 تیرا اندازِ تغافل مرے مرنے کی دلیل
 چرخِ کج باز نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذلیل
 پہلے ٹھونکی ہے بُنِ ناخن تدبیر میں کیل
 کششِ دم نہیں بے ضابطہ جزِ ثقیل
 غمِ گیتی سے مرا سینہ اُمز کی زبیل
 کلک میری رستم آموزِ عباراتِ قلیل
 میرے اجمال سے کرتی ہے تراوشِ تفصیل
 جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل
 کعبہ اسن و اماں عقدہ کشائی میں ڈھیل
 کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے
 قسم لو ہم سے گریہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے
 اک تیر میرے سینہ میں مارا کہ لائے لائے
 وہ ناز نہیں بتاں خود آرا کہ لائے لائے
 طاقتِ رُبا وہ اُن کا اشار کہ لائے لائے
 وہ بادہ مائے ناپ گوارا کہ لائے لائے

در تعریفِ ڈلی

ہے جو صاحبِ کعبہ دست پہ یہ چکنی ڈلی
 زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کیئے



— وہ فراق اور وہ مصال کہان
دوشب و روز و ماہ و سال کہان

خامہ انگشت بندہاں کہ اسے کیا لکھیے
 مہر مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیے
 مہی آلودہ سر انگشتِ حیناں لکھیے
 خاتمِ دستِ سیماں کے مشابہ لکھیے
 اختر سوختہ قیس سے نسبت دیجے
 حجر الاسودِ دیوارِ حرم کیجے فرض
 وضع میں اس کو اگر سمجھے قافِ تریاق
 صومے میں اسے ٹھہرائیے گر مہر نماز
 کیوں اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے
 کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیجے
 کیوں اسے تلمذِ پیراہنِ لیس لکھیے
 بندہ پرور کے کعبِ دست کو دل کیجے فرض
 نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور والا نے
 نکھاتے گیہوں نکھاتے نہ خلد سے باہر

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کیئے
 حریر بازوئے شکر خانِ خود آرا کیئے
 داغِ طرقتِ جگر عاشقِ شیدا کیئے
 سرِ پستانِ پریراد سے مانا کیئے
 خالِ مشکینِ مرغِ دلکش لیدا کیئے
 نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کیئے
 رنگ میں سبزہ نوخیز مسیحا کیئے
 میکدے میں اسے خشتِ خم صہبا کیئے
 کیوں اسے نقطہ پرکارِ تمنا کیئے
 کیوں اسے مردِ مکبِ دیدہ عفا کیئے
 کیوں اسے نقشِ پے نافہ سلما کیئے
 اور اس چکنی سپاری کو سودا کیئے
 مجھے جو بھیجی ہے مہین کی روغنی روٹی
 جو کھاتے حضرتِ آدم یہ مہین روٹی

سہرا

خوش ہوا ہے بخت کہ ہے آج ترے سہرا
 کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
 سر پہ چرخِ تاج پہبتا ہے پرے طرفِ کلاہ
 ناؤ بھر کر ہی پروٹے گئے ہونگے موتی
 باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا
 ہے ترے حسنِ دل منسروں کا زیور سہرا
 مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا
 ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

سات دریا کے فراہم کیے ہونگے موتی
 رُخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا
 یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
 جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہیں میں اک چیز
 جبکہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے
 رُخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک
 تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار
 ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
 منظور ہے گزارش احوال واقعی
 سو پشت سے ہے پیشہ آبا رسپہمگری
 آزادہ رو ہوں اور مرا سلک ہے صلح کل
 کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
 استادشہ سے ہونجھے پر خاش کا خیال
 جامِ جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
 میں کون اور رجیتہ ہاں اس سے مدعا
 سہرا لکھا گیا زرد استمال امر
 منقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
 روئے سخن کسی کی طرف ہو تو رُوسیاہ
 قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں

تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا
 ہے رگ ابر گہر بار سراسر سہرا
 رو گیا آن کے دامن کے برابر سہرا
 چاہیئے پھولوں کا بھی ایک مکر سہرا
 گوند سے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا
 کیوں نہ دکھلائے فروغِ مہ و اختر سہرا
 لائیگا تاب گراںباری گوہر سہرا
 دیکھیں اس سرے سے کمدے کوئی بہتر سہرا
 اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے
 کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے
 ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
 مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
 یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
 سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
 جز انبساطِ خاطر حضرت نہیں مجھے
 دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
 مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے
 سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے
 ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ

مدح

کہتا ہوں سچ کہ تجھ کوٹ کی عادت نہیں مجھے

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے
گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
اور میں وہ ہوں کہ گرمی میں کبھی غور کروں
خستگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے ہر دست
ہاتھ میں تیرے ہے تو سن دولت کی عنان
تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا
اُس پر گزرے نہ گھاں ریو و ریا کا زہار
ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو
جو آئے جام بھر کے پیئے اور ہو کے مست
بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلے حضور میں
یوں سمجھئے کہ بیچ سے خالی کیئے ہوئے
غالب یہ کیا بیاں ہے بجز مدح بادشاہ

تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے
رونیق بزم مہ موہ سہ تری ذات سے ہے
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے
نسبت اک گونہ مرے دل کو تھے بات سے ہے
یہ دعا شام و صبح تقاضی حاجات سے ہے
گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے
غالب خاک نشین اہل خرابات سے ہے
رکھ دیں چین میں بھر کے مئے مشکبو کی ناند
بسرے کو روندنا پھرے پھولوں کو جائے پھاند
ہے جن کے آگے سیم و زر و مرو و ماند
لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور میٹھا چاند
بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند

در مدح شاہ

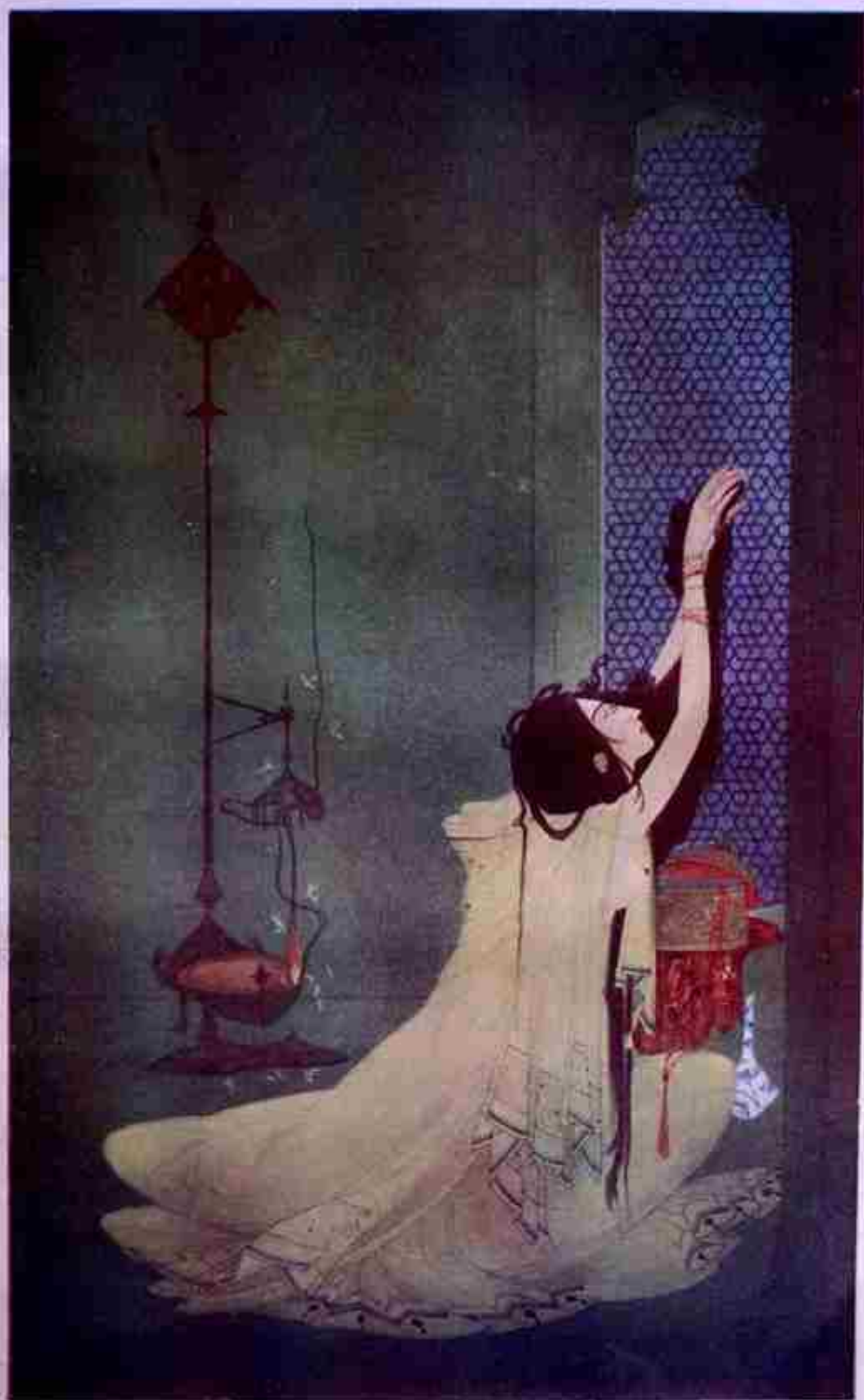
اے شاہ جہانگیر جہاں بخش جہاندار
جو عقدہ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو
مکن ہے کہ خضر سکندر سے ترا ذکر
بے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت
تو داکرے اس عقدہ کو سو بھی بشارت
گر لب کو نہ دے چشمہ جیواں سے طہارت

آصف کو سیماں کی وزارت سے شرف تھا
 ہے نقشِ مریدی ترافسِ ربانِ الہی
 تو آب سے گرسلب کرے طاقتِ سیلاں
 ڈھونڈھے نہ ملے موجِ دریا میں روانی
 ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں تو غفل
 کیونکر نہ کروں مع کو میں ختمِ دعا پر
 نوروز ہے آج اور وہ دن کہ ہوئے ہیں
 تجھ کو شرفِ مہر جہاں تاب مبارک
 افطارِ صوم کی کچھ اگر دست گاہ ہو
 جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
 ہے فخرِ سیماں جو کرے تیری وزارت
 ہے داغِ غلامی ترا تو قیغِ امارت
 تو آگ سے گردِ دفع کرے تابِ شرارت
 باقی نہ رہے آتشِ سوزاں میں حرارت
 ہے گرچہ مجھے سحرِ طرازی میں مہارت
 قاصر ہے شکایتِ تہمتی میری عبارت
 نظارگیِ صنعتِ حق اہل بصارت
 غالب کو ترے عقبہِ عالی کی زیارت
 اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے
 روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

گزارشِ مصنفِ بحضورِ شاہ

اے شہنشاہِ آسماں اور نگ
 تھا میں اک بینوائے گوشہ نشین
 تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
 کہ ہوا مجھ سا ذرہ ناچیز
 گرچہ از روئے نگ بے ہنری
 کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی
 شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں
 اے جہاندارِ آفتابِ آثار
 تھا میں اک درو مند سینہ فگار
 ہوئی میری وہ گرمی بازار
 روشناسِ ثوابت و ستار
 ہوں خود اپنی نظریں اتنا خوار
 جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
 بادشہ کا عہدِ سلام کار گزار

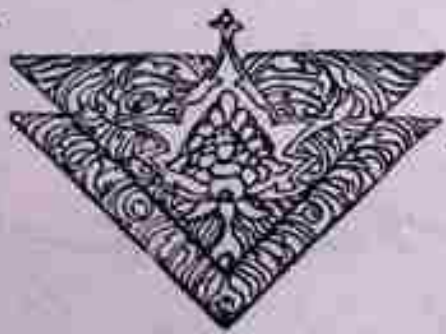
جی جے ذوقِ فنا کی نامتائی پر نہ کیوں
ہم نہیں جلتے نفس ہر حنیہ آتشبار ہے



خانہ زاد اور مرید اور مداح
 بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر
 نہ کہوں آپکے تو کس سے کہوں
 پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں
 کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش
 کچھ خرید انہیں ہے اب کے سال
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ
 آگ تاپے کہاں ملک انساں
 دھوپ کی تابش آگ کی گرمی
 میری تنخواہ جو مستر رہے
 رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات
 بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض
 میری تنخواہ میں ہتھائی کا
 آج مجھ سا نہیں زمانے میں
 رزم کی داستان اگر سینے
 بزم کا التزام گر کیجھے
 نظم ہے گر نہ دو سخن کی داد

تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
 نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
 مدعاے ضروری الاظہار
 ذوق آرائش سرود ستار
 تماندے بادِ زمہریر آزار
 جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
 کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
 بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
 دھوپ کھاوے کہاں ملک جاندار
 وقار تبنا عذاب النار
 اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار
 خلق کا ہے اسی چلن پر مدار
 اور چھ ماہی ہو سال میں دوبار
 اور رہتی ہے سود کی تکرار
 ہو گیا ہے شریک ساہوکار
 شاعر نغز گوے خوش گفتار
 ہے زباں میری تیغ جو ہر دار
 ہے قلم میرا ابر کو ہر بار
 قہر ہے گر کر دہ مجھ کو پیار

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا
 میری تنخواہ کیجے ماہ بہ ماہ
 ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام
 تم سلامت رہو سزا برس
 یہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے
 ہوا نہ غلبہ ٹیتر کبھی کسی پہ مجھے
 سہل تھا سہل ملے سخت مشکل آپڑی
 تین دن سہل سے پہلے تین دن سہل کے بعد
 نجمتہ انجمن طوئے میرزا جعفر
 ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب
 ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی
 کما غالب کے تاریخ اس کی کیا ہے
 گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں
 کانوں پہ ماتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام
 آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار
 تانا ہو مجھ کو زندگی دشوار
 شاعری سے نہیں مجھے سروکار
 ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
 جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
 کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے
 مجھ پہ کیا گزریگی اتنے روز حاضر بن ہوئے
 تین سہل تین تبریں یہ سب کے دن ہوئے
 کہ جس کے دیکھے سے سبکا ہوا ہے جی محفوظ
 نہ کیوں ہو مادہ سال عیسوی محفوظ
 ہوا بزم طرب میں رقص ناہید
 تو بولا "راشہ شراحِ جشنِ جمشید"
 دربار دار لوگ ہم آشنا نہیں
 اس سے ہے مراد کہ ہم آشنا نہیں



محمد اسد کاتب

رُبَاعِیَّات

بعد از تمام غمِ عیش و اطفال
ایامِ جوانی ہے سب کسبِ حال

شبِ گفت و شنودِ فغانِ غم
کیا شرح کروں اک طغیانِ غم

پیشانیِ تاسوادِ است غمِ سدا
سے لڑائیِ شکیبائیِ تقابل

دوبارے ہزار آنکھ سے ہم نگر
اگر قطرہ افشائی دینِ ارم تھا

آتش بازی ہے جیسے شغلِ اطفال ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال

تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی لڑکوں کیلئے گیا ہے کیا کھیل نکال

اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ سو
 اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سو
 ہر سیکڑہ کو ایک گرہ فرض کریں
 ایسی گرہیں ہزار ہوں بلکہ سو

مختص ہیں کہ آفت مزہم آزار نہیں
 عشاق کی پریشانی سے غار نہیں
 جو ساتھ کہ ظلم سے اٹھ آیا ہوگا
 کیونکہ مانوں کہ اس میں تلواریں نہیں
 کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ
 وہ اپنے صبح و شام کہنے والے
 ہم گرچہ سب سلام کرنے والے
 کہتے ہیں رنگ کلم کرنے والے

سائمان خور و نوش کہاں سے لاؤں
 آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
 روزہ مرا ایمان ہے غالب لیکن
 خس خانہ و برفاب کہاں سے لاؤں



نہ گل نفس بہوں نہ پردہ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

دل تھا کہ جو جان در تہمید سی بیتابی رشک و حسرت دید سی
ہم اور فسردن اے تجلی افسوس تکرار روا نہیں تو تجسید سی

مخلوق سد قاش کرنے کی ہے
وشت کدہ تلاش کرنے کی ہے
دل سخت زندہ ہو گیا ہے گویا
اس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا

یعنی بڑا غور و کافغباد
ملنے میں بدعاش کرنے کی ہے
پر بار کے لگے بول اس تجھے نہیں
غالب مہمند ہو گیا ہے گویا

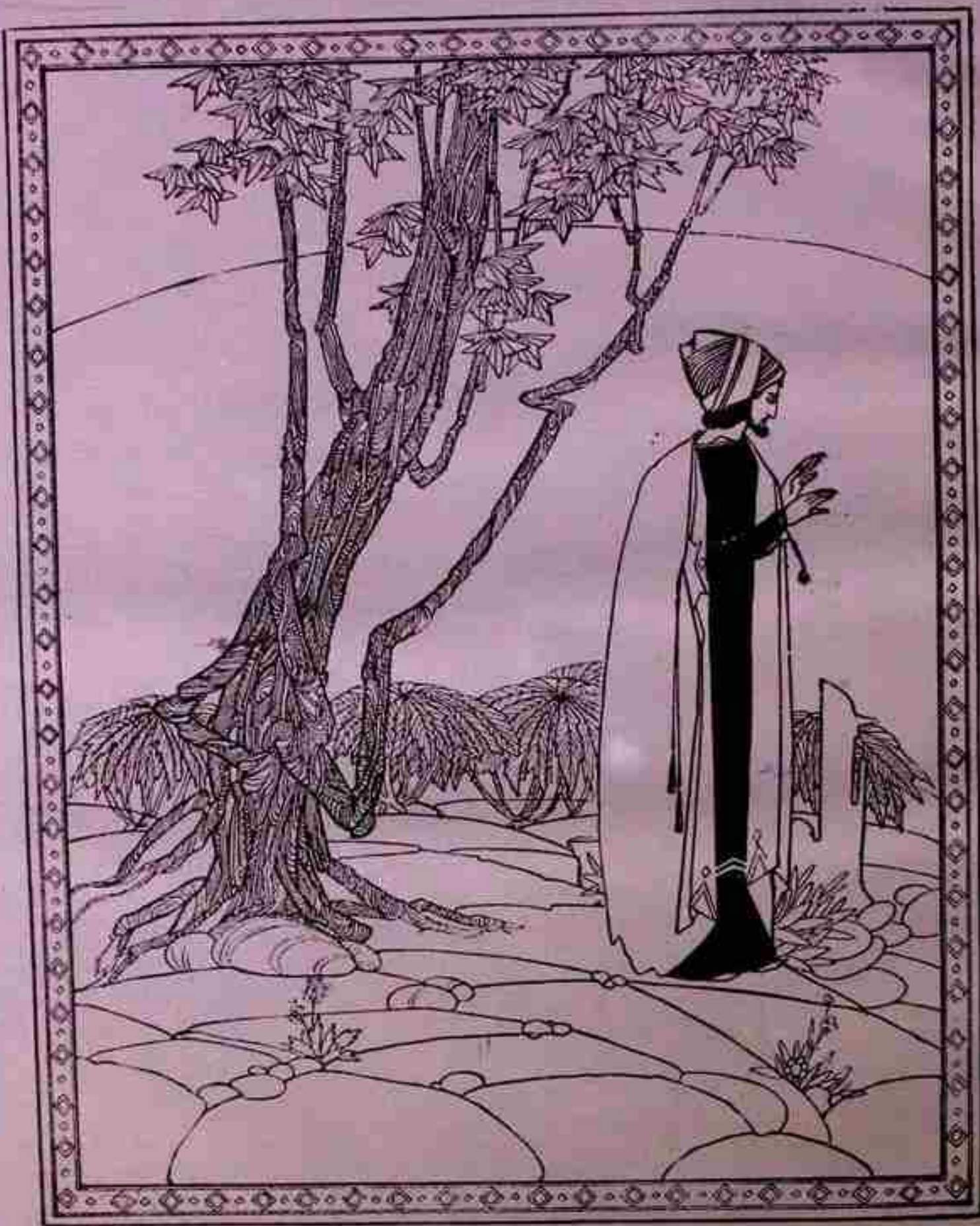
دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب دل رک رک کر بند ہو گیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں سونا سو گند ہو گیا ہے غالب

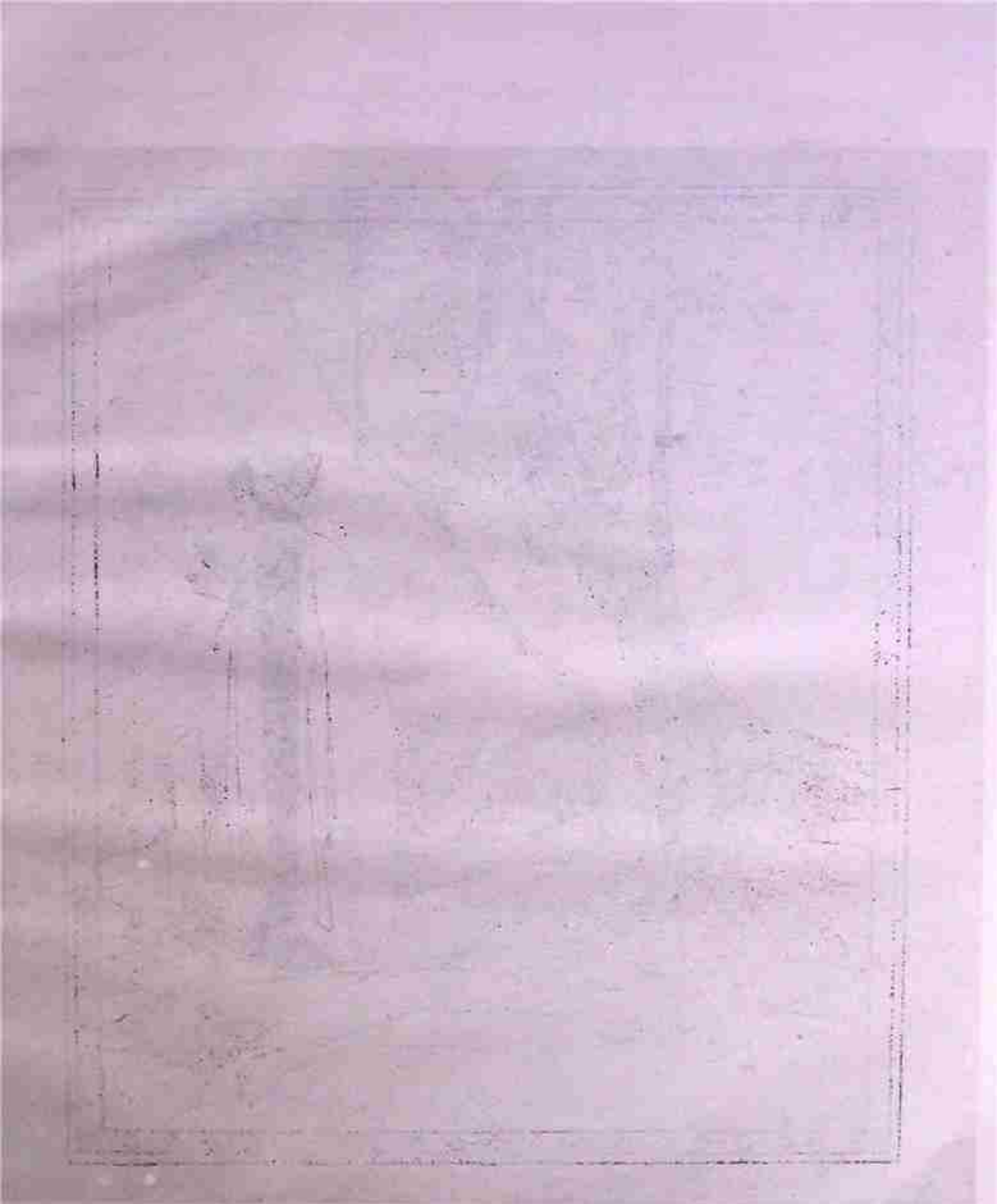
مشکل ہے زبں کلام میراے دل سُن سُن کے اُسے سخنور اِن کاہل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گویم شکل و گرنہ گویم شکل

میں شہنشاہِ شہزاد میں شہنشاہِ شہزاد
نظمِ غنایاتِ شہنشاہِ پاد نظمِ غنایاتِ شہنشاہِ پاد

یہ شاہِ پندال یہ شاہِ پندال
نظمِ پندال نظمِ پندال

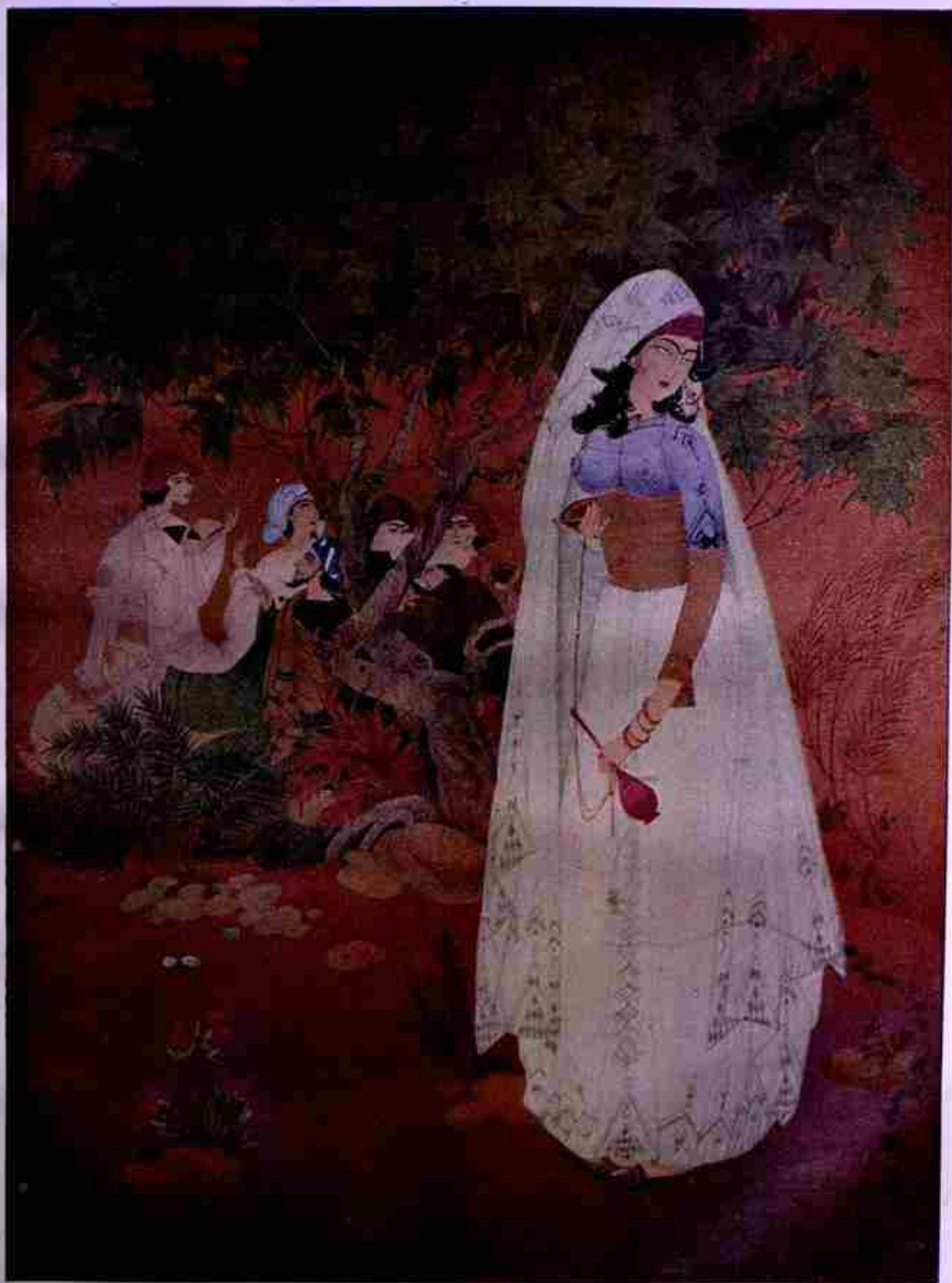
حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے تا شاہِ شہنشاہِ شہزاد کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتہ عمر میں گانٹھ ہے صفر کہ افزائش اعدا کرے





گل فشانے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا۔
خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ٹائے ٹائے

مُدت ہوئی ہے یار کوہاں گئے ہوئے
جوئیں قمر سے بزمِ سراغاں گئے ہوئے



It is perhaps the "Oriental" character of Chughtai's pictures that will win admirers for them outside Asia. Their amazing technical skill is acceptable to all who are sensitive to excellence achieved. But the remoteness from so-called realism which Chughtai has deliberately cultivated will be specially acceptable to those who are now feeling the pull away from an alleged truthfulness to eye-sight, towards the truth of the imagination. This has been the mission of the Oriental art for ages, and a study of a set of Persian paintings (of which good reproductions can now be readily obtained) side by side with these of Chughtai, will show where they are at one in their mood of gentle repose, in their pictorial lyricism, and where Chughtai, with the impulse of the creative artist who has the sense of tradition, has made his wholly delightful and individual contribution. He retains the distinctive mood and posture of the Persian tradition but gives his pictures a special quality of his own in lovely colour combination, in delicious lines that seem to be less lines of painting than of some inaudible poetry made visible, in folds of drapery that are never mere coverings to or discoverings of the human body, but best men in the liturgy of beauty, in decorative backgrounds based on Saracenic architecture that call the imagination away from the tyranny of the actual into free citizenship of the realm of romance.

One would like to follow up these excellences from picture to picture, but space forbids. The wish must here be content with hand outstretched towards infinite riches in a little room and a profound salaam to the gifted artist.

Adyar, Madras
April, 1928

and it might be some less delectable world than the Persian world of dreams that is evoked in these lovely pages ; for he belongs to the tribe of romantics whose caravan is never fully content unless when it is camped by the river of yesterday or to-morrow. Another of the tribe, the English poet Keats, took refuge from his time in a Grecian world of his own making. But Chughtai carries his refuge about with him, and sets it visibly in our midst with the fine gesture of invitation to enter and enjoy which is made in this volume.

What some wealthy institution or patron should have done, the young artist has himself accomplished out of the results of a short but brilliant career (he is only twenty-nine). He loves his Ghalib, being himself a Poet ; he loves his art ; he knows that others love it ; and he desires that the happiness of the possessors of his original paintings should be shared by a large circle of lovers of art. And, being a romantic, he desires no profit. He gives us this gallery of the most exquisite art, this product of his highest inspiration and craftsmanship and the finest achievement of colour reproduction, for what it costs.

For this the little world of lovers of pure painting will thank him. Were this introduction to this volume permitted to be more than a simple signal, it would dwell on what is within with greater enthusiasm ; on the skill that has achieved perfect assurance and extraordinary ease and on the passionate reserve and chaste intensity that are perhaps the most distinctive contribution of the Persian and Mughal genius of the past and of Chughtai to-day to the art of India and the world.

INTRODUCTION

by

JAMES H. COUSINS, D. LITT.

Some good people, when they see certain pictures of modern artists, recall some two or three colour-prints that they have seen, and sagely remark, with a trace of disparagement: "Ah, Japanese influence." As if a great grandmother of the arts of Asia should be rebuked for preserving some trace of resemblance to her children's children. Wider knowledge knows that the matter is the other way round, and that Utamaro's ladies are lineal descendants of the Shakti of India, thinned, coiffed and costumed by the temperament and climate of Japan.

The same good people or others have been heard to remark in front of one of Rahman Chughtai's pictures: "Ah, Persian influence." Persian surely, for the very reason that Chughtai is a Persian of the lineage of the Tartar-Mughals and of the family of the master-builders of the Pearl Mosque of Delhi and the Taj Mahal of Agra.

It does not, of course, follow that, because Chughtai is in blood Persian, he should therefore paint Persian. Some of the masters of Mughal art in the sixteenth and seventeenth centuries were pucca Hindus, and some of the Indians to-day who ape a foreign art are not pucca anything, but in the case of Chughtai it just does follow. His cultural tradition takes fresh birth in him, with a difference due to passing time and personality.

So far as Chughtai's art is concerned, India to him might as well be India of Akbar. It is perhaps as well for us that it is not. If it were, he might have created for us some other,

And in so far as the cultural history of Islam is concerned, it is my belief that, with the single exception of Architecture, the art of Islam (Music, Painting and even Poetry) is yet to be born—the art, that is to say, which aims at the human assimilation of Divine attributes تخلقوا باخلاق الله gives man infinite aspiration. اجر غير ممنون and finally wins for him the status of God's Representative on earth.

مقام آدم خاکی نہاد دریا بند مسافران حرم را خدا دہد توفیق

There are, however, indications to show that the young artist of the Punjab is already on the way to feel his responsibility as an artist. He is only twenty-nine yet. What his art will become when he reaches the maturer age of forty, the future alone will disclose. Meanwhile all those who are interested in his work will keenly watch his forward movement.

Lahore
21st July, 1928.

MOHAMMAD IQBAL



matter of choice. It is a gift, the character of which cannot be critically judged by the recipient before accepting it. It comes to the individual unsolicited, and only to socialise itself. For this reason the personality that receives and the life-quality of that which is received are matters of the utmost importance for mankind. The inspiration of a single decadent, if his art can lure his fellows to his song or picture, may prove more ruinous to a people than whole battalions of an Attila or a Chingiz. As the Prophet of Islam said of Imra'ul Qais—the greatest poet of Pre-Islamic Arabia:

اشعر الشعراء وقايد هم الى النار

To permit the visible to shape the invisible, to seek what is scientifically called adjustment with nature is to recognise her mastery over the spirit of man. Power comes from resisting her stimuli, and not from exposing ourselves to their action. Resistance of what is with a view to create what ought to be, is health and life. All else is decay and death. Both God and man live by perpetual creation.

حسن را از خود برون جستن خطاست آنچه می بایست پیش ما کجاست

The artist who is a blessing to mankind defies life. He is an associate of God and feels the contact of Time and Eternity in his soul. In the words of Fichte, he "Sees all Nature full, large and abundant as opposed to him who sees all things thinner, smaller and emptier than they actually are". The modern age seeks inspiration from Nature. But Nature simply 'is' and her function is mainly to obstruct our search for 'Ought' which the artist must discover within the depths of his own being.

FOREWORD

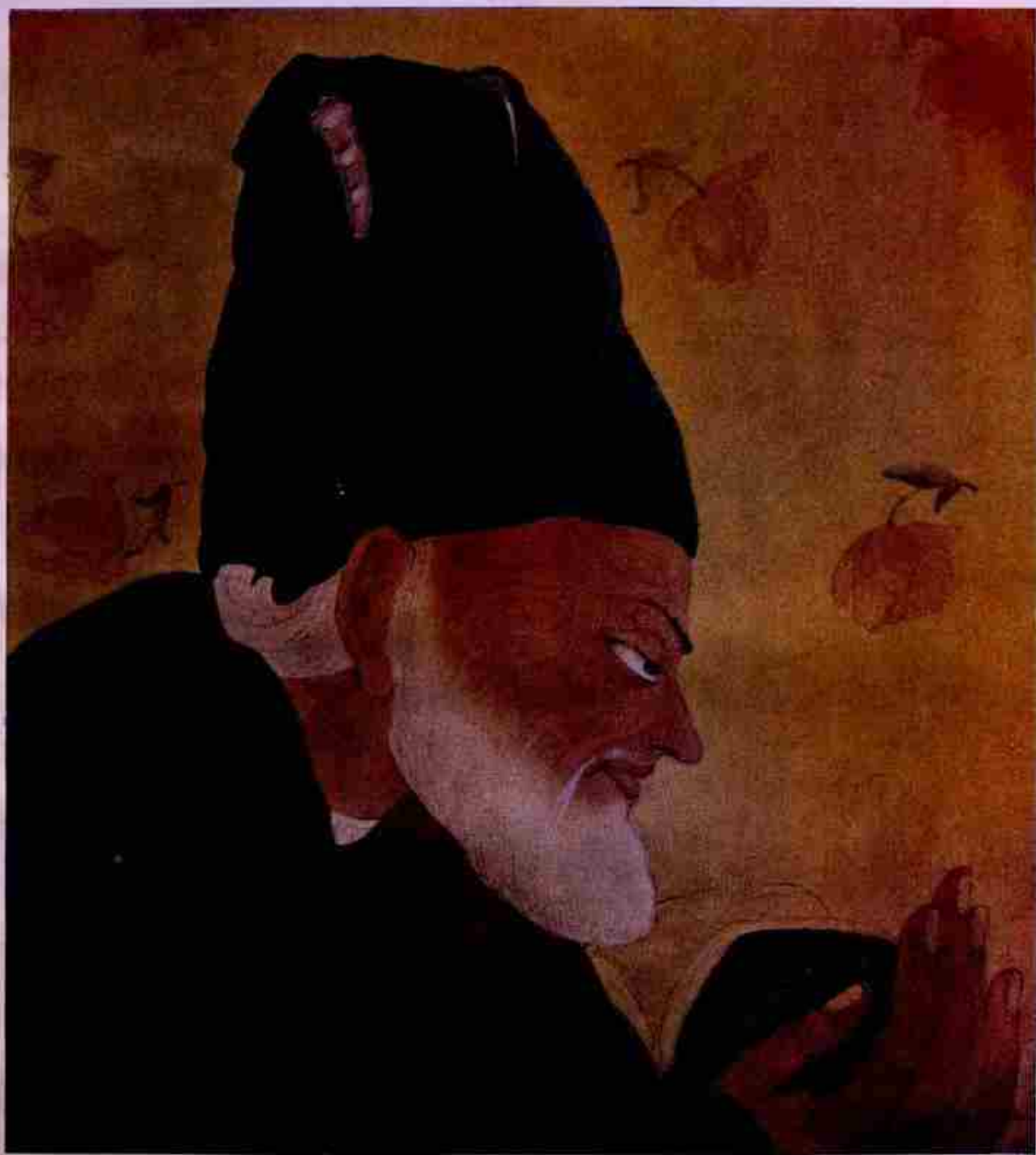
by

Dr. SIR MOHAMMAD IQBAL
THE POET OF THE EAST

I WELCOME "Muraqqa-i-Chughtai"—Ghalib's Illustrated Edition by Mr. M. A. Rahman Chughtai—a unique enterprise in modern Indian painting and printing. Unfortunately I am not competent enough to judge the technical side of painting, and refer the reader to Dr. Cousin's admirable Introduction in which he has analysed some of the more important forces that are shaping Chughtai's artistic ideal. All that I can say is that I look upon Art as subservient to life and personality. I expressed this view as far back as 1914 in my 'Asrar-i-Khudi', and twelve years later in the poem of the 'Zubur-i-'Ajam', wherein I have tried to picture the soul-movement of the ideal artist in whom Love reveals itself as a unity of Beauty and Power.

دلیری نے قاہری جادوگری است دلبری با قاہری پیغمبری است

From this point of view some of the more recent paintings of Mr. Chughtai are indeed remarkable. The spiritual health of a people largely depends on the kind of inspiration which their poets and artists receive. But inspiration is not a



غالب نام آورم نام و نشا نام میر
هم اسد اللہم و ہم اسد اللہینم

MURAQQA-I-CHUGHTAI

PAINTINGS OF M. A. RAHMAN CHUGHTAI

With full Text of Diwan-i-Ghalib

FOREWORD

دیباجہ پیش قسط

BY

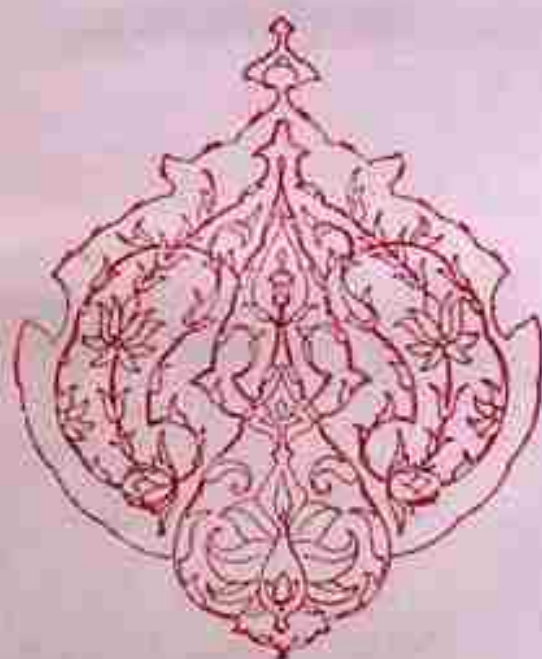
DR. SIR MOHAMMAD IQBAL, KT., PH. D.

INTRODUCTION

تعارف

BY

DR. JAMES H. COUSINS, D. LITT.



PRINT PRINTO

FINE ART PUBLISHERS

LAHORE-2, (WEST PAKISTAN)

PIR MAKKI

